باتیں ایک خاتون ڈاکٹر کی

نوال سعداوی

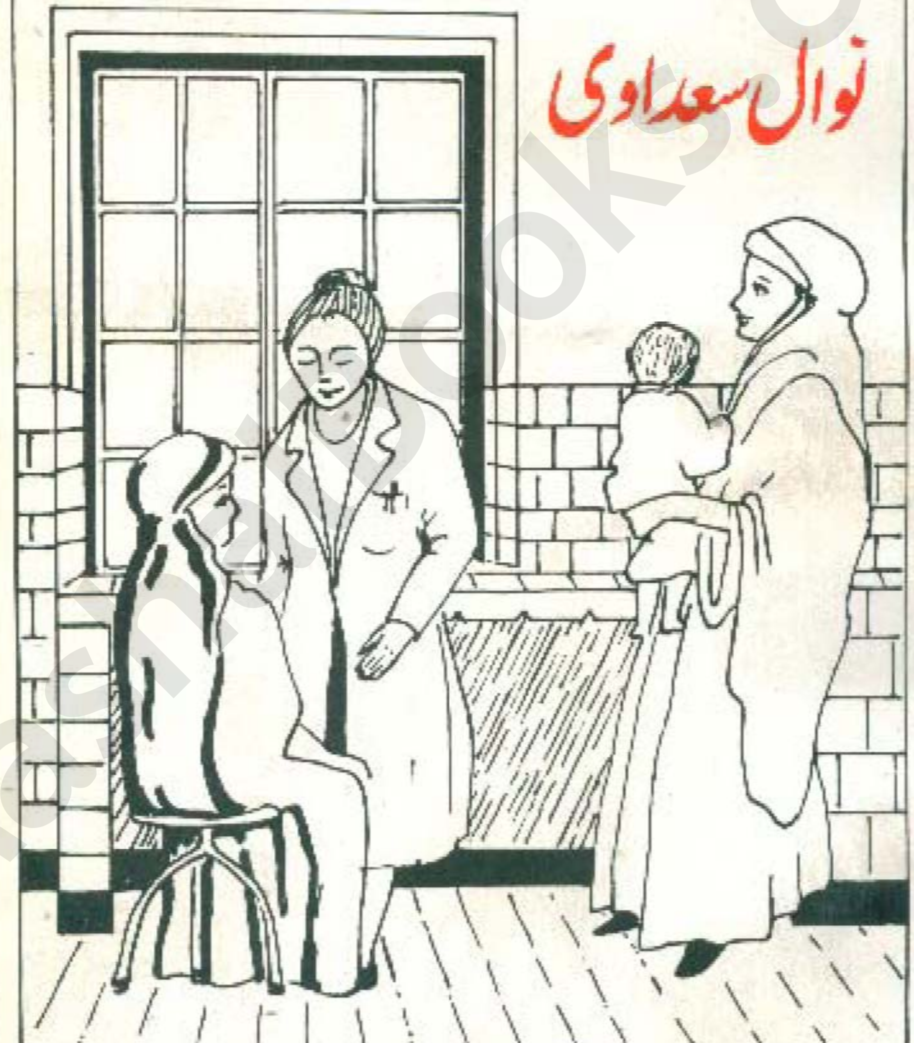

Mashaalbooks.com

باتیں ایک خاتون ڈاکٹر کی

نوال سعداوی

ترجمہ: طاہرہ حبیب

ناشر: **مشعل بکس**

آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون وفیکس: 042-5866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.com

MashalBooks.com

پیش لفظ

''عورت مرد کے سامنے اپنی آزادی' اپنی عزت' اپنے نام' اپنی عزت نفس' اپنی فطرت اور اپنی خواہشات سے محروم تہی دست کھڑی ہے۔اس کی روحانی اور مادی زندگی کا احترام اس سے چھین لیا گیا ہے حتیٰ کہ اس کی کوکھ میں کھلنے والا ننھا شگوفہ جس کی تخلیق اس کے دل و دماغ' اس کے خون اس کے جسم کے خلیوں سے ہوتی ہے اسے اس پر بھی کوئی اختیار نہیں۔''

یہ اقتباس ڈاکٹر نوال سعداوی کی کتاب ''ایک خاتون ڈاکٹر کی یاداشتیں'' سے ہے جس کے اردو ترجمے کو ''باتیں ایک خاتون ڈاکٹر کی'' کا نام دیا گیا ہے۔اس کتاب کا ترجمہ طاہرہ نے کیا ہے۔اردو میں ترجمہ ہو کر یہ کتاب بہت سے کتاب دوستوں کے لئے اچھا تحفہ تو ہے ہی یہاں کے ادیبوں' خاص طور سے خواتین رائیٹرز کے لئے ایک مثال بھی ہے۔اس لئے کہ یہ کتاب ایک گہری سچی اور خوبصورت تحریر کی امانت دار ہے اور دنیا کی آدھی انسانیت سے سوال کرتی ہے کہ عورت جو نوع انسان کا زیادہ مکمل اور زیادہ حساس حصہ ہے اسے مرد کی دنیا میں ادھورا بنا کر کیوں رکھا گیا ہے اور صرف استحصال کے لائق ہی کیوں سمجھا گیا ہے؟ یہ گھناؤنی حقیقتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جسے نئی عورت اپنے آنسوؤں کی اوٹ میں رکھنا نہیں چاہتی۔اسی نئی عورت کی طرف سے یہ پورا سچ ہے کہ جس کے بیان میں کسی جھجک یا لفظی مصلحت یا ادبی ریاکاری سے کام نہیں لیا گیا۔ مصنفہ اس قسم کی ''زنانہ جھجک'' اور ادھورے سچ کی ریاکاری سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہے۔اس لئے اس کتاب کی یادداشتیں ایک فرد کی یادداشتیں ہو کر بھی ایسی تحریر بن جاتی ہیں کہ وہ تیسری دنیا کے آگے رکھا ہوا ایسا شیشہ ہے جس میں چوتھی دنیا' جو عورت کی دنیا ہے منعکس بھی ہوتی ہے اور اس کا صاف ایکسرے بھی اتر آتا ہے۔تیسری دنیا کی عورت بذات خود ایک دنیا ہے۔لیکن تین دنیاؤں کے بوجھ تلے دبی ہوئی دنیا۔کراہتی سسکتی کتنی

MashalBooks.com

بیماریوں میں مبتلا افسردہ ودل گرفتہ' اپنے ہی وجود سے نالاں اپنے ہی آپ سے شرمندہ یہ عورت بیمار ہے۔ اصل میں خود اس کا سماج بری طرح بیمار ہے۔ یہ عورت صحت مند جبلتوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہے مگر پیدا ہوتے ہی معاشرے کے ان گنت جراثیم اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پھر یہ عورت سدا بیمار ہی رکھی جاتی ہے۔ اس کا علاج نہیں ہوتا۔ غلاموں کے لئے اس طرح کے اہتمام نہیں کئے جاتے نا۔ کسی اہتمام کی ضرورت بھی کیا۔ غلام بچے تو ہر حال میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر حال میں جئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سعداوی خود ایک عورت ہے جس نے اپنے آپ کو جدوجہد اور بغاوت کی آگ میں جلا کر غلام ذہنیت کے مرض سے نجات حاصل کی ہے اسی لئے آج وہ ایک باشعور' ترقی پسند قلم کار ہے' جس نے دونوں طرف سے روشنی لے کر انسان اور اس کی دنیا کو دیکھا ہے۔ مارکسی علم جو دنیا کو پہنچانے کے لئے بڑی روشنی ہے۔ سائنس کا علم جو زندگی کو سمجھنے کے لئے دوسری بڑی روشنی ہے مگر سعداوی کے پاس ایک تیسری بڑی روشنی خود اس کا عورت ہونا ہے۔ یہ عورت اپنی دنیا کو اس کے تمام تضادوں کے ساتھ دیکھ لیتی ہے۔ عورت کی ذات کو اور اس دنیا کو جس میں عورتیں بچے اور غلام رکھے گئے ہیں۔ اسی لئے ڈاکٹر سعداوی کی تحریروں میں ایک تازہ جرات' حقیقت پسندی اور گہری نظر ہے۔ یہ نگاہ اندھیرے کو چیر کر دیکھ لیتی ہے اور انسان کے جابر سماج ماحول اور دل کو بھی اس کی نگاہ ظلم کرنے والوں کے ہاتھ کو دستانوں میں بھی پہچان لیتی ہے۔ سماج کے ٹھیکے دار ایسی تحریروں سے بہت گھبراتے ہیں۔ حکمران طبقے تو ڈاکٹر سعداوی کی تحریروں پر سنسر لگانے کو بھاگ پڑتے ہیں۔ مگر کہاں تک؟ کتاب اگر مصر میں نہیں چھپ سکتی تو لبنان میں جا کر چھپ جاتی' ترجمے کے پر لگا کر ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

ڈاکٹر نوال سعداوی ایک ماہر سرجن ہے۔ نشتر ہاتھ میں لے کر انسان کے جسم میں گلے سڑے حصے چھانٹ کر انہیں تندرست بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہی کام اس کا قلم بھی کرتا ہے۔ تیسری دنیا کے ایک سچے قلم کار کو نشتر زنی کا کام کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ایک بیمار معاشرہ ہے نا جو انسان کے وجود پر خود ایک ناسور بن چکا ہے۔ یہاں ظلم اور مظلوم دونوں ہی بیمار ہیں۔ یہ کتاب ایک بڑی اہم کتاب ہے' سبھی حوالوں سے' مگر

آج کے دن اور بھی اہم ہے آج کے دن اس لئے کہ یہ 1990ء کا سال جواب اپنے دن گن رہا ہے گرل چائیلڈ کے حساب میں لکھا گیا ہے ۔خدا جانے کتنے سال گزر گئے ۔تیسری دنیا کی گرل چائیلڈ دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم اور بے بس مخلوق پیدا ہوتی ہے اور غلام عورت بن کر آداب غلامی نبھاتے ہوئے غلام زادے پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ باقی پس ماندہ ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی بہت کچھ رسمی اور زبانی ہوتا ہے۔مگر اس کتاب کی اشاعت کوایک عملی قدم گنا جاسکتا ہے۔اس کتاب کی یادداشتوں میں سب سے زیادہ موثر باب وہ ہے جوایک بچی کی بڑھتی ہوئی عمراور جسم کے ساتھ بڑھتے ہوئے خوف اور بے انصافی کے احساس پرلکھا گیا ہے جو ہرایک بچی اور ٹین ایج کی لڑکی کو اپنی داستان کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔

یادداشتوں کی اس بازگشت کو میں نے بھی مبہوت ہوکر پڑھا ہے۔

حوا کی بیٹی ایک بے حد حساس اور نازک وجود جسے انسانیت کی ملائم سی جڑ کہا جاسکتا ہے اور مستقبل کی گلابی کونپل مگر سماج کا وحشی اسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔تیسری دنیا کے تاریک معاشروں میں رہنے والے جانتے تو ہیں مگر جیسے کہ ہوتا ہے غلام اپنے بچوں کو بچا نہیں سکتے۔ بلکہ الٹا انہیں آداب غلامی قبول کرنے کی تربیت دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔اس دنیا میں تو جبلتیں بھی مسخ ہوجاتی ہیں اور جذبے بھی۔ایک بچی کے لئے تو سگی ماں کی ممتا بھی فقط جبر وتشدد میں اضافہ ہی کرسکتی ہے۔خود ترقی پسند ادب نے جو مظلوم طبقوں کا طرف دار ہوتا ہے' ایک انسان کی بچی کی دنیا کو بہت کم دیکھا ہے۔اس کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔

اس خلا کو سعدادی نے اس کتاب کے ساتھ پر کیا ہے۔کس قدر گہری حقیقتوں کو چھیڑتی اور چھوتی ہوئی تحریر لکھی ہے!ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہونے والی بچی کے ابتدائی خوف سے لے کر سن بلوغت کی الجھنوں اور ایک باشعور عورت کی خود تفتیشی و وجود شناسی کے مراحل سے پہلے کی جذباتی بغاوتوں پر برجستہ تحریر اسے یادداشتیں کہہ لو یا ناول مگر یہ حقیقت کے قریب ہے۔اس سے پہلے عورت کے موضوع پر زیادہ تر یورپ میں لکھا گیا یا امریکہ میں لیکن ادھر مشرق کی عورت کے حالات و مسائل قطعی دوسرے ہیں اور ان پر لکھنا کفر سمجھا گیا۔ پھر ان مسائل کا ادراک مرد کے بس کی بات ہی

نہیں تھی۔ رہی عورت تو اسے ابھی اپنے آپ کو انسان تسلیم کرانے میں کامیابی کہاں ہوئی۔ یہ جدوجہد بھی کمزور ہے کہ عورتوں کی اکثریت تو ایسی ہے کہ جس کا شعور کچل کر رکھ دیا گیا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو کمتر تسلیم کرتی ہے۔ مرد کی داسی بن کر رہنے میں اپنا تحفظ دیکھتی ہے۔ مرد کی اپنی حیثیت بھی عجیب ہے۔ کہیں وہ عورت کا دیوتا ہے کہیں شیطان یعنی مرد عورت میں کسی جگہ بھی انسانی رشتہ قائم نہیں رہ سکا۔ جو کچھ ہے وہ ظالم مظلوم یا مالک ملکیت کا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے باقی تمام رشتے بھی عدم توازن کا شکار ہیں اور فرد کے اندر کا تصادم تو کہیں تھمتا ہی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کی اپنی جنس اور جبلت کرپٹ ہو کر ننھی بچیوں کی زندگی میں زہر کے بیج بونے لگتی ہے۔ ماں اور نانی دادی سماج کے غیر انسانی اور انسان دشمن ضابطوں کی پابند اور وفادار ہوتی ہیں۔ یہی وفاداری وہ نوعمر بچی کو بالجبر قبول کرواتی ہیں۔ اس قدر گلے سڑے سماج سے مشرقی عورت کی وفاداریاں محض مجبوریاں اور غلامی کی زنجیریں ہی ہیں۔ ان زنجیروں میں شوہر کبھی کبھی سونے کی زنجیر بھی شامل کر دیتا ہے یعنی عورت کو اعزاز بھی ملے تو گھر کی زینت decoration Piece یا مرد کے ہیرے جواہرات دکھانے کے لئے ماڈل گرل کا کردار۔۔۔۔ عورت کا اپنا حسن جوانی، ماں کی ممتا اور مرد کی مردانگی جیسی ''اچھی چیزیں'' بھی کیسی شیطان بن کر اسی خوبصورت مخلوق کو جس کا نام لڑکی ہے خوف زدہ اور مسخ کرتی رہتی ہیں۔ تیسری دنیا کے بھولے سماجوں میں خوبصورت چیزوں کی برداشت ہی نہیں۔ یہاں بلبلیں پنجروں میں بند رکھی جاتی ہیں اور مور تک بھون کر کھا لئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر سعداوی کا مصر ہو یا میرا پاکستان، یہاں کے سماجوں میں عورت کی مشکل زندگی اس کے بچپن سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ باپ کے گھر میں اس کی پیدائش کا دن ہی سوگوار ہوتا ہے اور ممتا پیاری کی گود میں بھی ایک چبھنے والا کانٹا چھپا ہی رہتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں بیٹی کے لئے دودھ بھی کم ہی اترتا ہے اور اس کے بڑھتے ہوئے جسم کے لئے پروٹین والی خوراک بھی ممنوع ہوتی ہے۔ جوانی کا آغاز ہوتے ہی نظر بد تو کس کس کی نہیں۔۔۔۔۔ ماں دادی سے لے کر باپ کے مہمان اور گلی کے چوکیدار تک کی آنکھیں پھٹ جاتی ہیں۔ بھائی اگر جوان ہے تو وہ بہن کی حفاظت کے لئے چھرا تیز

MashalBooks.com

رکھتا ہے۔ دوسرے کی بہن کو ریپ کرنے والا اپنی بہن کو قتل کرنا غیرت مندی اور اخلاقی اقدار کی حفاظت سمجھتا ہے۔ شادی کا تصور اتنا مسخ ہے کہ جوان لڑکی کو اس سے بو آتی ہے ۔۔۔۔کبھی پیاز کی بو اور کبھی قصائی کی۔ اسی لئے یہاں عورت کی دنیا ایک گہرا راز ہے جو وقت کے پرانے غاروں میں دفن ہے۔ ان غاروں کی دریافت کا کام ابھی شروع ہی ہوا ہے۔ مگر جنہوں نے یہ کام شروع کیا وہ بغیر تیشے کے فرہاد ہیں۔ پتھر کھرچتے ہوئے ان کے ناخن ٹوٹ رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخری حصے میں بھی آدمی یوم جہالت منا رہا ہے۔ شاید اکیسویں صدی کے آخر تک بھی عورت کو انسان تسلیم نہ کیا جا سکے کیونکہ ایک وحشی معاشرہ اس طرح کے کام کو اپنے مفاد کے حق میں نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح جیسے مذہب بائیولوجی پر لمبی چوڑی ریسرچ کو دیوی دیوتاؤں کے مفاد میں سمجھتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح کی دریافتوں کے بعد بہت کچھ دفن کرنا پڑے گا۔ بہت سے بت ٹوٹ جائیں گے۔ بہت کچھ علم اور فن کا حصہ بھی غلط ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ کام فطرت کی اصل کے مطابق مرد کی ضرورت اور خواہش کے مطابق ہوا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ فلم اور کہانی میں آج تک عورت کا کردار لکھا گیا نہ ایکٹ ہوا اور کہنے کو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشرق کی عورت زندگی کے کسی سٹیج پر خود اپنا کردار ایکٹ نہیں کر سکی۔ اس لئے کہ فلم کہانی گیت شادی سب مرد کے خیال اور خواہش کی چیزیں بن گئی ہیں۔ حتیٰ کہ بہن، بیٹی، محبوبہ اور بیوی کے کردار جو اس سے کروائے گئے وہ اصلی کردار نہیں تھے۔ بلکہ سماج کے کاریگروں کے ڈیزائن اور متعین (Define) کئے ہوئے خاکے تھے۔ کسی نہ کسی دن یہ خوفناک انکشاف ہو گا ضرور کہ عورت کے نام پر جو کچھ لکھا گیا وہ جھوٹ تھا۔ ایک تپلی تماشہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ آئیڈیل اور آدرش بھی جھوٹے اور مرد معاشرے کے بنائے ہوئے ہیں۔ عورت کی فطرت کا اس سے کوئی واسطہ تعلق نہیں سچی بات تو یہ ہے کہ اس زمین پر رہنے والے انسان نے اپنی نوع کے بارے میں بہت کم کام کیا ہے۔ فزکس کی تحقیق تو اتنا آگے بڑھ گئی کہ ذرے میں ایٹم بم کی طاقت تلاش کر لی۔ چاند کی سطح پر جا کر قدم ٹکایا۔ ستارے گرد راہ بنا لیئے۔ مگر خود اپنی کھوپڑی کے پیالے میں رکھے ہوئے گرے رنگ کے نرم مادے کے گچھے اور ان کے اندر چھپی ہوئی بے پناہ قوتوں اور کائنات کنٹرول کی زبردست ٹیکنالوجی کو گرفت میں نہیں لیا۔

MashalBooks.com

دو ٹانگوں والا جانور اشرف المخلوقات کے مقام تک جس طرح پہنچا' ارتقاء کے اس شاندار عمل کو ڈارون کا بندر دبوچے بیٹھا ہے۔ وہ ذہن' وہ ہاتھ جنھوں نے زمین آسمان کھوج ڈالے' سمندر' صحرا اور خلا مسخر کر لئے' خود انسان کے بارے میں کچھ بھی نہ کر سکے۔

اپنی بے بسی اور اپنے مدمقابل مرد کی طاقت دیکھ کر ایک یہی تمنا پیدا ہوسکتی ہے کہ اگلے جنم موہے بیٹا نہ کیجو۔ مگر تمناؤں سے زندگی کب بدلتی ہے۔ زندگی کو بدلنے کے لئے تو بڑی اجتماعی اور عملی جدوجہد چاہیئے۔ ہاں مگر ایک فرد بھی ڈاکٹر سعداوی کی ہیروئن کی طرح اگر ہو تو شعور کی طاقت اور اعتماد کے نشتر سے مرد کی طاقت کا جادو توڑا جا سکتا ہے۔

''میں نے بے باکی اور مستقل مزاجی کے ساتھ مرد کی لاش کا معائنہ کر دیا۔ ایک ننگے مرد سے میرا پہلی بار سامنا ہوا۔ اس دوران مرد میری نگاہوں میں اپنی تصوراتی عظمت اور طاقت کھو چکا تھا۔ مرد ایک بلند تخت سے نیچے آ گرا تھا اور ایک عورت کے سامنے چیر پھاڑ کی میز پر پڑا تھا۔ تو پھر مری ماں میرے اور میرے بھائی کے درمیان اتنی تفریق کیوں رکھتی تھی؟ اور مرد کو ایسا دیوتا بنا کر کیوں پیش کرتی تھی کہ جس کی مجھے خدمت کرنی تھی' ہر حال میں' عمر بھر باورچی خانے میں بیٹھ کر؟''

''معاشرہ مجھے ہمیشہ یہی باور کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ مردانگی ایک اعزاز ہے اور نسوانیت کمزوری اور ذلت۔ کیا میری ماں اس بات پر یقین کر سکتی ہے کہ میں نے ایک ننگے مرد کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا معدہ اور سر چاقو سے کھول دیا؟ کیا یہ معاشرہ اس بات کو مانے گا کہ میں نے ایک مرد کے جسم کا معائنہ کیا اور بغیر اس بات کی پرواہ کئے کہ وہ ایک مرد کا جسم ہے اسے ٹکڑوں میں کاٹ دیا''

آگے چل کر ایک جگہ ڈاکٹر سعداوی سوال کرتی ہے

''آخر یہ کیا معاشرہ ہے۔ کیا ان مردہ مردوں کو بھی میرے بھائی کی طرح بچپن سے یہی سمجھایا گیا تھا کہ مرد دیوتا ہوتے ہیں اور عورتیں میری ماں کی طرح کمزور بے بضاعت۔ ایسے لوگ کس طرح یقین کریں کہ ایک عورت ایسی بھی ہوسکتی ہے جو مرد کو اعصاب' پٹھوں' آنتوں اور ہڈیوں کے ایک مجموعے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی۔''

یہ سائنس کی حقیقتیں ہیں جن کا ادراک مرد عورت کے لئے یکساں ہے۔لیکن مرد بے چارہ اپنی تربیت اور معاشرے کی بخشی ہوئی مسخ ذہنیت کے باعث یہاں بھی کیا سیکھ سکا۔ وہ ایک سائنس داں عورت کو داد تو دے سکتا ہے مگر اسے انسان تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔۔۔۔اس کے ذہن اور احساس کا احترام کرنا نہیں چاہتا۔ وہ ایک ماہر سرجن سے مل کر بھی اس کے جسم کو تاکتا رہتا ہے۔مگر ایک عورت ڈاکٹر اپنی تحقیق کا معتبر حوالہ دیتے ہوئے تسلیم کرتی ہے کہ

''عورتیں مردوں کی طرح ہوتی ہیں اور مرد جانوروں کی طرح۔ عورت کا دل و دماغ اور اعصابی نظام من وعن مرد جیسا ہوتا ہے اور ایک جانور بھی بالکل انسان جیسا دل و دماغ اور اعصابی نظام رکھتا ہے۔ ہر عورت کے اندر ایک مرد ہوتا ہے اور ہر مرد کے وجود میں ایک عورت چھپی رہتی ہے۔ ہر ایک عورت میں کچھ مردانہ اعضاء ظاہر و پوشیدہ ہوتے ہیں اور ہر مرد کے خون میں نسوانی ہارمون موجود ہیں اور تمام انسانوں میں ایک کٹی ہوئی دم کے آثار۔ ریڑھ کی ہڈی کے چند مہرے آخر میں لٹکتے ہوئے موجود ہیں اور جانور بھی ہنستے روتے ہیں''۔

لیکن عورت کی کمزوری پر حکمرانی کرنے والے مردان حقائق کو تسلیم نہیں کرتے۔اگر ایسا کرلیں تو وہ خود اپنے راج سنگھاسن سے نیچے اتر آتے ہیں وہ اپنے بے پناہ اختیار کو کم کیوں کریں؟ وہ تو اپنی ضرورت کی عورتیں بھی سانچے میں ڈھال لیتے ہیں، جھکی ہوئی اور شرمیلی عورتیں، خدمت گزار اور احساس کمتری کا شکار اور مرد کی ضرورت کے عین مطابق اپنی ہستی اور طاقت سے قطعی بے خبر۔اس طرح کی عورتیں بنانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ خدا کی بنائی مخلوق کی توڑ پھوڑ بلکہ ایک گہرا اپریشن کیا جاتا ہے۔ یہ اپریشن لڑکیوں پر ان کی کم سنی کے زمانے سے کئے جاتے ہیں۔ان کے ذہن اور احساس کو مفلوج کرنے والے عمل میں وہ کاریگر عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں جنہیں نانیاں اور دادیاں اور مائیں کہا جاتا ہے۔ان ماؤں دادیوں کے پاس مرد کی غلامی اور خود اپنی جنسی کمتری کے پلے پلائے احساس ہوتے ہیں اور غلامی کے ساتھ جینے کے وسیع تجربے۔ یہی نہیں ان بے اختیار عوتوں کے ہاتھ میں چھوٹی بچیوں کو دبا کر رکھنے کا وسیع اختیار بھی ہوتا ہے۔ بس اسی

اختیار کو وہ بے دریغ استعمال کرتی ہیں۔مگر کیا بنالیتی ہیں وہ اس طاقت کے ساتھ؟ وہی جو بھکاری بچوں کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بناتے ہیں۔۔۔۔۔ نئے اپاہج' نئے بھکاری۔ نوجوان لڑکی بے چاری زندگی کے سہانے تصورات کی مکروہ صورتیں دیکھنے لگتی ہے۔ یا خود بھی اس قصائی معاشرے کا آلہ کار بن جاتی ہے۔ڈاکٹر سعداوی کے ناولوں کی لڑکی شادی اور شوہر کے نام سے ابکائیاں لیتی ہے۔ پیاز اور خاوند کی بو سے یکساں نفرت کرتی ہے۔ باورچی خانے کی ہمک اور شادی کے لفظ کی بساند اسے ایک جیسی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ماں نے اس کی زندگی کا کل مقصد فقط شادی کرنا رکھا ہے اور شادی کا مطلب ایک توندل شوہر کے لئے دن رات باورچی خانے میں کھانا پکاتے رہنا مقرر کر دیا۔ اب سارا بچپن اس مقصد کی تیاری میں خرچ کرنا پڑا۔ کھیل کود کی جگہ شوہر کی خدمت کے ڈھنگ سکھانے کی بدصورت تربیت اور پڑھائی کے میرٹ کو سراہنے کی جگہ ابھرتے ہوئے سینے اور لمبے بالوں کی اہمیت' ایک ذہین بچی کو سارے ماحول اور نظام سے متنفر کر سکتی ہے۔

اب ایک بات ترجے اور مترجم کے لئے۔ترجمہ ایک فن ہے اور علم و ادب کی ترسیل کا اہم وسیلہ۔ترجمے کے ذریعے انسان کے علم میں گراں بہا اضافہ ہوا ہے۔ اور دنیا کے ہر ایک خطے کی زبان کو فیضان حاصل ہوتا رہا۔ترجمے کی مدد سے ہی تو دنیا بھر کے انسانوں میں کمیونیکیشن ممکن ہوسکی۔ جہاں جہاں جو کچھ لکھا گیا وہ علم اور ادب کے شاہکار ترجمے کی مدد سے دنیا کے دور دراز کارحصوں میں جا متعارف ہوا اور بنی نوع انسان کا مشترکہ ورثہ بن سکا۔ ہمارے ہاں دوسرے کاموں کی طرح ترجمہ کرنے کا کام بھی کم ہوتا ہے۔

مبارک باد کی مستحق ہے طاہرہ جس نے ڈاکٹر سعداوی جیسی عظیم رائیٹر کی کتاب بلکہ ایک بڑی اہم کتاب کواردو زبان میں ڈھال کر بہت سے کتاب دوستوں پر تیسری دنیا کے نئے ادب کا ایک اور دروازہ کھول دیا ہے۔ طاہرہ سے پہلے کیھترین نے اسے عربی سے انگریزی میں ڈھالا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اردو ترجمہ بھی شاید ممکن نہ ہوسکتا۔ کیونکہ ہمارے ہاں عربی کے مقابلے میں انگریزی سے زیادہ شناسائی ہے اورانگریزی کے مقابلے میں اردوزبان کو پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

افضل توصیف

MashalBooks.com

MashalBooks.com

میرے اور میری نسوانیت کے درمیان کشمکش کا آغاز بہت پہلے ہو گیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میری نسوانی خصوصیات ابھی نمایاں نہیں ہوئی تھیں' اور میں اپنے متعلق' اپنی جنس یا اپنی اصل اور بنیاد کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی بلکہ میں اس خلا کی حقیقت تک سے ناواقف تھی جس میں میں اس دنیا میں آنے سے پہلے رہتی رہی تھی۔

میں اس وقت صرف یہ جانتی تھی کہ میں ایک لڑکی ہوں۔ میں دن بھر اپنی ماں کی زبان سے یہ لفظ سنا کرتی۔لڑکی! وہ پکارا کرتی اور میرے نزدیک اس بات کا یہی مفہوم تھا کہ میں ایک لڑکا نہیں ہوں اور یہ کہ میں اپنے بھائی کی مانند نہیں ہوں۔

میرے بھائی کے بال بہت چھوٹے چھوٹے اور کٹے ہوئے تھے اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی اس کے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا جاتا اور کنگھی نہیں کی جاتی جب کہ اس کے برعکس میرے بالوں کو بڑی کوشش سے لمبا کیا گیا تھا' میری ماں دن میں دو بار ان میں کنگھی کرتی۔اس کی چوٹیاں بناتی اور پھر بالوں کے سروں کو ربن اور ربڑ بینڈوں کی قید میں جکڑ دیتی۔

میرا بھائی صبح بیدار ہوتا اور اپنا بستر اٹھائے بغیر گھر سے نکل جاتا لیکن مجھے اپنے بستر کے ساتھ ساتھ اس کا بستر بھی اٹھانا پڑتا۔ بھائی تو ماں باپ سے اجازت لئے بغیر گلی میں چلا جاتا اور جب چاہتا واپس آتا جب کہ میں صرف اس صورت میں اور اس وقت گھر سے نکل سکتی تھی جب میرے ماں باپ اس کی اجازت دیں۔

میرا بھائی میرے مقابلے میں گوشت کا بڑا ٹکڑا لیتا اور اسے نگل جاتا اور سوپ بھی سڑپ سڑپ کر کے پیتا۔ میری ماں کو اس کی ان حرکتوں پر کبھی اعتراض نہیں ہوتا تھا لیکن میری بات مختلف تھی میں ایک لڑکی تھی لہٰذا مجھے اپنی ہر حرکت پر نظر رکھنا پڑتی۔ کھانے کے لئے اپنی خواہش کو چھپانا پڑتا۔ آہستہ آہستہ چبا کر کھانا پڑتا اور سوپ بھی بغیر آواز نکالے پینا پڑتا۔

میرا بھائی کھیلتا' اچھل کود کرتا اور قلابازیاں لگاتا جب کہ میری سکرٹ اگر گھٹنوں سے ذرا سا بھی اوپر سرک جاتی تو میری ماں مجھے یوں چُبھتی نظروں سے دیکھتی جیسے کوئی جانور اپنے شکار کو بے حس و حرکت کرتا ہے اور میں اپنے جسم کے ان شرمناک حصوں کو فوراً ڈھک لیتی۔

شرمناک! ہاں میری ہر چیز شرمناک تھی اور اس وقت میں صرف نو سال کی ایک کمسن بچی تھی۔ مجھے اپنی حالت پر افسوس ہوتا اور میں خود کو کمرے میں بند کر کے روتی رہتی۔ میرے ٹوٹ کر شدت سے رونے کی وجہ' سکول میں بری کارکردگی' یا مجھ سے کسی قیمتی شے کا ٹوٹ جانا تو کبھی نہیں ہوا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک لڑکی تھی۔ میں اس وقت بھی اپنی نسوانیت پر روئی جب میں یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ نسوانیت کس چیز کا نام ہے۔ جب میں نے زندگی کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا شروع کیا تو میرے اور میری فطرت کے درمیان پہلے ہی سے مخاصمت کی فضا موجود تھی۔

☆☆☆☆

میں بیک وقت تین سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے اتری تاکہ میں دس گننے سے پہلے گلی میں پہنچ جاؤں جہاں میرا بھائی اور ہمسائیوں کے بچے چور سپاہی کھیلنے کے

لئے میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے اپنی ماں سے اجازت لے لی تھی۔ مجھے مختلف کھیل کھیلنے اور تیز دوڑنے سے عشق تھا۔ جب میں اپنا سر' بازو ٹانگیں فضا میں لہراتی یا اندھا دھند چھلانگیں لگاتی تو مجھے ایک نا قابل بیان مسرت حاصل ہوتی لیکن میری ان کھیلوں میں ایک ہی رکاوٹ تھی اور وہ تھا میرے جسم کا بوجھ۔

خدا نے مجھے لڑکی کیوں بنایا؟ اس نے مجھے کبوتر کی طرح فضا میں اڑنے والا پرندہ کیوں نہیں بنا دیا؟ مجھے یوں لگتا کہ خدا پرندوں کو بھی لڑکیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن میرا بھائی بھی تو نہیں اڑ سکتا تھا یہ بات کسی حد تک میری ڈھارس بندھاتی۔ مجھے یہ تسلی ہوتی کہ اگرچہ وہ ہر طرح سے آزاد اور خود مختار ہے لیکن اڑنے کی سلسلے میں تو وہ بھی میری طرح مجبور ہے۔ عورت ہونے کے حوالے سے جو بے بسی مجھ پر طاری کر دی گئی تھی اس کو دلاسہ دینے کے لئے میں مسلسل مردوں کی کمزوریوں کی تلاش میں رہا کرتی۔

میں حد درجہ مسرت اور جوش کے عالم میں چھلانگیں لگا رہی تھی کہ اچانک میرے سارے جسم پر شدید لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے سر گھما کر دیکھا تو کوئی سرخ چیز نظر آئی میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میرا دل خوف سے بھر گیا اور میں کھیل چھوڑ کر گھر کی طرف بھاگی۔ میں نے اپنے آپ کو غسل خانہ میں بند کر لیا تھا کہ تنہائی میں اپنے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے کی حقیقت معلوم کر سکوں۔

میری سمجھ میں قطعاً کوئی بات نہ آئی۔ میں نے سوچا کہ میں یقیناً کسی خوفناک بیماری کا شکار ہو چکی ہوں۔ میں خوف سے کانپتی ہوئی اپنی ماں کے پاس اس واقعے کے بارے میں پوچھنے گئی لیکن جواب میں اس کے چہرے پر ہنسی اور خوشی کے تاثرات تھے۔ میں حیرت میں غرق سوچنے لگی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے کسی دکھ اور تکلیف کا میری ماں مسکرا کر خیر مقدم کرے۔ میری گھبراہٹ اور پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے وہ مجھے بازو سے پکڑ کر میرے کمرے میں لے گئے اور یہاں بیٹھ کر اس نے مجھے عورت کی ماہواری کی بات بتائی۔ میں مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے مسلسل چار دن تک اپنے کمرے میں بند رہی۔ میں اپنے بھائی' باپ اور حتیٰ کہ نوکر کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جو شرمناک واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے ان سب کو اس کا احوال معلوم ہو

گا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے ماں نے میرا نیا راز بھی ان تک پہنچا دیا ہو گا۔ میں چار دن کمرے میں بند رہی تا کہ صورت حال سے مطابقت پیدا کر سکوں۔ کیا یہ گندا عمل ہی لڑکیوں کے بلوغت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے؟

کیا کوئی انسان اپنے پٹھوں کے نادانستہ عضلاتی عمل کے رحم و کرم پر مسلسل کئی دن تک رہ سکتا ہے؟ خدا یقیناً لڑکیوں سے متنفر ہے تبھی تو اس نے انہیں اس لعنت اور مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ خدا نے لڑکوں کے ساتھ ہر سلسلے کی جانب داری کی ہے۔

میں بستر سے اٹھی اور اپنے آپ کو گھسیٹ کر آئینے تک لائی۔ میں نے دیکھا کہ میرے سینے پر دو چھوٹے چھوٹے ٹیلے ابھر رہے تھے۔ کاش میں مر سکتی! اس جسم کے متعلق میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا' جس پر ہر روز ایک نئی شرمناک چیز ابھر آتی تھی جو میری کمزوری اور میری ذات کے ساتھ مصروفیت میں اضافہ کر دیتی تھی۔ اب اس کے بعد میرے جسم پر اور کیا اگے گا؟ میری متشددانہ نسوانیت اب کس نئی علامت کی صورت میں میرے جسم پر ظاہر ہو گی؟

مجھے اپنے عورت ہونے سے نفرت تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوں... زنجیریں جو میرے اپنے خون سے بنی تھیں وہ زنجیریں جو مجھے چارپائی کے ساتھ باندھ رہی تھیں تا کہ نہ میں دوڑ سکوں نہ چھلانگیں لگا سکوں۔ یہ شرم اور تذلیل و تحقیر کی زنجیریں تھیں' جنہیں میرے اپنے جسم کے خلیوں نے جنم دیا تھا۔ میں نے اپنے اسی شرمناک وجود کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اپنے آپ کو سنبھالا۔

میں اب گلی میں دوڑنے یا کھیلنے کے لئے نہیں جاتی تھی۔ میرے سینے کے ابھار اب بڑے ہو رہے تھے۔ جب میں چلتی تو وہ آہستہ آہستہ ہلتے تھے۔ میں اپنی دبلی پتلی جسامت سے بہت ناخوش تھی۔ میں اپنے سینے کو چھپانے کے لئے اس پر اپنے بازو باندھے ہوئے اپنے بھائی اور اس کے دوستوں کو حسرت کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھتی رہتی۔

MashalBooks.com

☆☆☆☆

میں بڑی ہوئی تو میرا قد میرے بھائی سے بھی لمبا ہو گیا حالانکہ عمر میں وہ مجھ سے بڑا تھا۔ میرا قد اپنے ہم عمر بچوں سے لمبا تھا۔ میں نے اپنے ساتھ کے بچوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بند کر دیا اور اکیلی بیٹھ کر سوچتی رہتی۔ میرا بچپن بیت چکا تھا' ایک مختصر اور خاموش بچپن۔ ابھی میں بمشکل تمام اس سے آشنا ہوئی تھی کہ وہ بیت بھی گیا اور اب میں بالغ جسم والی ایک عورت تھی جس کی ذات کے نہاں خانوں سے دور کہیں دس سال کا ایک بچہ چھپا بیٹھا تھا۔

میں چوکیدار کے لکڑی کے بینچ پر اکیلی بیٹھی تھی۔ میری نگاہیں گلی میں اپنے بھائی اور اس کے دوستوں کی حرکات وسکنات کا تعاقب کر رہی تھیں۔ میں نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے چوکیدار کو دیکھا' اس کی آنکھیں اور دانت اس کے سیاہ چہرے پر چمک رہے تھے وہ میرے اتنے قریب آ گیا تھا کہ اس کی قمیض کا کھردرا کنارہ میری ٹانگ سے بار بار چھو رہا تھا اور اس کے کپڑوں سے آنے والی عجیب سی بو میرے نتھنوں میں گھسی جا رہی تھی۔ میں غصے اور کراہت کے احساس کے ساتھ اپنی جگہ سے سرک کر آگے ہو گئی لیکن وہ دوبارہ میرے قریب آ گیا' میں نے اپنے خوف کو چھپانے کی کوشش میں اپنے بھائی اور اس کے ساتھیوں کی طرف ایک ٹک دیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کی کھردری انگلیاں میری ٹانگ کو سہلا رہی ہیں اور میرے کپڑوں کے نیچے اوپر کی طرف بڑھتی جا رہی ہیں میں نے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے چھلانگ لگائی اور تیزی سے بھاگنے لگی۔ تو گویا اس خوفناک مرد کو بھی میری نسوانیت کا علم ہو چکا تھا! میں بھاگتی بھاگتی اپنے فلیٹ میں پہنچی۔ میری ماں نے پوچھا کہ مجھے کیا ہوا ہے۔ لیکن میں اسے کچھ بھی نہ بتا سکی۔ شاید خوف یا تذلیل کے احساس کے باعث یا پھر خوف اور ذلت دونوں کے امتزاج سے پیدا ہونے والی کیفیت کی وجہ سے یا شاید یہ سوچ کر کہ ماں مجھے اس بات پر ڈانٹے گی اور ہمارے درمیان شفقت کا وہ رشتہ ختم ہو جائے گا جس کے بھروسے پر میں اپنا ہر راز اسے بتا دیا کرتی تھی۔

☆☆☆☆

اس کے بعد میں نے گلی میں جانا اور لکڑی کے سٹول پر بیٹھنا چھوڑ دیا۔ میں ان بھاری آوازوں اور مونچھوں والی مخلوق سے جسے کہ مرد کہا جاتا ہے' دور بھاگتی تھی۔ میں نے خیالوں میں اپنے لئے ایک تصوراتی دنیا بسالی تھی جس دنیا میں میں ایک دیوی تھی اور مرد میرے حکم کے تابع ایک مجبور اور بے بس مخلوق۔ میری اس دنیا میں کرسیوں پر گڑیاں بجی تھیں' میں ایک اونچے تخت پر بیٹھی تھی لڑکوں کو فرش پر بٹھاتی تھی اور ان سے کہانیاں سنتی تھی۔ میری زندگی' میرے تصورات اور میری گڑیوں کے ساتھ بڑی پر سکون تھی اور اس سکون میں کوئی بھی مداخلت نہیں کرتا تھا سوائے میری ماں کے جو ہر وقت گھر اور باورچی خانے کے مختلف کاموں کے متعلق احکامات صادر کرتی رہتی تھی۔ یہی تھی عورت کی لہسن اور پیاز کی بو میں بسی ہوئی محدود سی قابل نفرت دنیا! میں ابھی بمشکل تمام اپنی اس چھوٹی سی دنیا کی پناہ گاہ میں داخل ہوتی کہ میری ماں مجھے واپس باورچی خانے میں گھسیٹ لیتی اور کہتی ''کل کو تمہاری شادی کرنا ہے'' شادی... شادی' یہ قابل نفرت لفظ میرے ماں ہر روز دہرایا کرتی تھی حتیٰ کہ مجھے اس لفظ سے ہی نفرت ہوگئی اس لفظ کے سنتے ہی میرے ذہن میں ایسے مرد کی تصویر ابھرتی' جس کا بڑا سا آر پار نظر آنے والا پیٹ ہے اور اس میں ایک کھانے کی میز ہے۔ میرے ذہن میں باورچی خانے سے اٹھنے والی مہک خاوند کی مہک کے ساتھ وابستہ تھی اور مجھے لفظ شوہر سے بھی اتنی ہی نفرت تھی جتنی کہ کھانا پکنے کی بو سے۔

جونہی میری نانی کی نگاہ میرے سینے پر پڑی وہ بات کرتے کرتے رک گئیں۔ میں نے دیکھا کہ ان کی بوڑھی بیماری آنکھیں میرے سینے پر کھلنے والے دو شگوفوں کی جانچ پڑتال اور تجزیہ کر رہی ہیں' پھر نانی اماں نے میرے ماں کے کان میں کچھ سرگوشی کی اور میری ماں مجھے کہنے لگی' اپنے کریم رنگ کے کپڑے پہنو اور بیٹھک میں جا کر اپنے والد کے مہمان کو سلام کرو''۔

میں نے ہوا میں کسی سازش کی بو سونگھ لی تھی۔ میں اپنے والد کے اکثر

دوستوں سے ملنے

اور انہیں کافی پیش کرنے کی عادی تھی ۔کبھی کبھار میں ان کے ساتھ بیٹھ بھی جایا کرتی اور میرے والد انہیں بتایا کرتے کہ میں اپنے سکول کی ایک ہونہار طالبہ ہوں یہ بات ہمیشہ میرے لئے باعث فخر ہوتی اور میں سوچا کرتی تھی کہ چونکہ میرے والد میری ذہانت کے قائل ہیں وہ مجھے عورت کی اس مایوس کر دینے والی دنیا سے' جو شادی اور پیازوں کی بو میں بسی ہوئی ہے ضرور نجات دلوائیں گے۔

لیکن کریم رنگ کے کپڑے ہی کیوں؟ یہ نیا سوٹ تھا اور مجھے اس سے نفرت تھی کیونکہ اس کی قمیض کے سامنے والے حصے پر ایک فرل لگی ہوئی تھی جس سے میری چھاتیاں بڑی دکھائی دیتی تھیں میری ماں نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پوچھا'

''تمہارے کریم رنگ کے کپڑے کہاں ہیں؟''

''میں وہ نہیں پہنوں گی'' میں نے ناراضگی سے جواب دیا۔

اس نے میری آنکھوں میں بغاوت کی چمک دیکھ لی تھی لہٰذا اس نے بڑے رنج سے کہا ''اچھا تو اپنی بھنوئیں نیچی کرو''۔

میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا اور بیٹھک کا دروازہ کھولنے سے پہلے میں نے اپنی بھنوئیں انگلی سے اوپر کرلیں۔

میں نے اپنے باپ کے دوست کو سلام کیا اور وہیں بیٹھ گئی ۔ایک عجب سا خوفناک چہرہ اور آنکھیں بڑی بے رحمی سے میرا جائزہ لے رہی تھیں اسی انداز سے جس انداز سے کچھ دیر پہلے میری نانی نے میرا جائزہ لیا تھا۔

''یہ اس سال پرائمری سکول میں اپنی کلاس میں اول آئی ہے''

میرے باپ نے بتایا۔ اس شخص کی نگاہوں میں اس بات پر ستائش کی ایک رمق تک نہ ابھری بلکہ میں نے دیکھا کہ اس کی نگاہیں میرے جسم کا جائزہ لے رہی تھیں اور پھر میرے سینے پر آ کر ٹھہر گئیں میں خوفزدہ ہوکر اٹھ کھڑی ہوئی اور یوں کمرے سے بھاگی جیسے شیطان میرے پیچھے لگا ہو۔ میری ماں اور نانی دروازے کے قریب متجسسانہ انداز میں کھڑی تھیں اور دونوں نے اکٹھے مجھے پوچھا'' ''تم نے کیا کیا؟''

MashalBooks.com

میرے حلق سے ایک دبی ہوئی چیخ نکلی اور میں اپنے کمرے کی طرف بھاگی اور دروازہ زور سے اندر سے بند کرلیا۔ مجھے ان سے نفرت تھی۔ یہ دو ابھار' گوشت کے یہ دو گومڑ جو میرے مستقبل کا تعین کر رہے تھے! کاش میں انہیں تیز چاقو سے کاٹ کر اپنے جسم سے علیحدہ کرسکتی! لیکن میں ایسا نہیں کرسکتی تھی میں زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتی تھی کہ ایک تنگ زیر جامہ کے ذریعے انہیں ہموار کر کے کسی حد تک چھپا لیتی۔

☆☆☆☆

میرے گھنے اور لمبے بال مجھے ہر وقت مصروف رکھتے تھے۔ صبح کے وقت باتھ روم میں رکاوٹ بنتے اور گرمیوں میں ان کی وجہ سے میری گردن جلتی رہتی' یہ میرے بھائی کے بالوں کی طرح چھوٹے اور آزاد کیوں نہیں ہیں؟ اس کے بال اس کے سر پر بوجھ نہیں تھے اور نہ ہی اس کے کاموں میں رکاوٹ بنتے تھے۔ لیکن میری زندگی میرے مستقبل اور حتیٰ کہ میرے ہر موئے تن کو میری ماں کنٹرول کرتی تھی کیوں؟ اس نے تو اپنی معمول کی زندگی گزارتے ہوئے سرشاری کے ایک بے سوچے سمجھے لمحے میں میرے وجود کی بنیاد رکھ دی تھی میرے اس دنیا میں آنے کا نہ تو اس کو علم تھا اور نہ ہی اس کا انتخاب تھی اور نہ میں نے اسے بطور ماں منتخب کیا تھا ہم دونوں نے ایک دوسرے کو بطور ماں اور بیٹی کے مسلط کر دیا تھا کیا کوئی انسان کسی ایسے انسان سے محبت کرسکتا ہے جو اس پر جبراً مسلط کر دیا گیا ہو اور اگر میری ماں اپنی جبلت کے ہاتھوں مجبور مجھ سے محبت کرتی تھی تو اس میں اس کا کیا کمال تھا' کیا وہ اس بلی سے بہتر تھی جو کبھی تو اپنے بچوں سے پیار کرتی ہے اور کبھی انہیں ہڑپ کر جاتی ہے۔ میں کبھی کبھار سوچا کرتی کہ میری ماں مجھ سے جس سختی کا برتاؤ کرتی ہے اگر وہ مجھے کھا بھی جاتی تو مجھے اس کی اتنی تکلیف نہ ہوتی! اگر وہ مجھ سے واقعی محبت کرتی تھی اور میری خوشی کو اپنی خوشی پر ترجیح دیتی تھی تو پھر اس کی خواہشات اور مطالبات ہمیشہ میری خوشی کے برعکس کیوں ہوتے تھے؟ وہ مجھ سے کیسی محبت کرتی تھی جب کہ وہ ہر روز میرے بازوؤں' ٹانگوں اور گردن کو زنجیروں میں جکڑ دیتی تھی۔

زندگی میں پہلی دفعہ میں اپنی ماں سے اجازت لئے بغیر فلیٹ سے

باہر نکلی جب میں نیچے گلی میں پہنچی تو میر دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ حالانکہ میری اشتعال انگیز حرکت نے مجھے ایک قسم کی تقویت دی تھی۔ چلتے چلتے ایک سائن بورڈ نے مجھے چونکا دیا ''خواتین کا ہیئر ڈریسر'' میں صرف ایک لمحے کے لئے ہچکچائی اور پھر اندر چلی گئی۔

میں نے اپنے بالوں کو لمبی لمبی لٹوں کو تیز قینچی کی گرفت میں آتے اور پھر نیچے زمین پر گرتے دیکھا۔ کیا یہی وہ چیز تھی جسے میری ماں عورت کی شان کہتی تھی؟ کیا عورت کی شان پختہ ارادے کے ایک لمحے میں زمین پر گر کر یوں بکھر سکتی ہے؟ میرا دل عورت پن کے لئے نفرت سے بھر گیا میں نے اپنے سامنے عورتوں کو اپنے آپ کو ناکارہ اور غیر اہم سمجھتے دیکھا ہے اس نفرت نے مجھے مزید تقویت دی' میں پر اعتماد اور مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی واپس گھر پہنچی اور اپنے نئے کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ اپنی ماں کے مقابل سیدھی کھڑی ہوگئی۔

میری ماں کے گلے سے ایک تیز چیخ نکلی اور اس نے میرے منہ پر زور کا تھپڑ دے مارا اس کے بعد ایک اور تھپڑ اور پھر مارتی چلی گئی۔ میں اس کے سامنے ایسے کھڑی تھی جیسے میرے قدموں نے زمین میں جڑیں پکڑ لی ہوں۔ اختیار اور اقتدار کو چیلنج کرنے کے اقدام نے مجھے ایک ناقابل تسخیر قوت بنا دیا تھا جس پر کسی حملے کا کوئی اثر نہ تھا۔ میری ماں کا ہاتھ میرے منہ پر پڑنے کے بعد یوں واپس چلا جاتا جیسے اس نے میرے چہرے کو نہیں ایک گرنیڈ کو مارا ہے۔

میں روئی کیوں نہیں؟ میں تو عموماً معمولی سی ڈانٹ یا ہلکے سے تھپڑ پر رو رو کر بے حال ہو جایا کرتی تھی لیکن اب میری آنکھ میں آنسو تک نہیں آیا اور نہایت جرات اور اعتماد کے ساتھ اپنی ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی وہ کچھ دیر تک تو مسلسل مجھے مارتی رہی اور پھر تھک کر صوفے پر گر گئی اور حیرت اور پریشانی کے عالم میں بار بار کہتی رہی'' ''تم یقیناً پاگل ہوگئی ہو''۔

اس کے خدوخال شکست اور بے بسی کی کیفیت میں کانپ رہے تھے مجھے اس کی اس حالت پر بہت ترس آیا۔ میر دل بڑی شدت سے چاہا کہ اٹھ کر اسے گلے لگا لوں' پیار کروں' اور اس کی بازووں میں گر کر خوب رؤوں اور اسے بتاوں کہ ہمیشہ

MashalBooks.com

تمہارے احکامات ماننا میرے حق میں اچھا نہیں۔

لیکن میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹالیں تا کہ اسے یہ احساس نہ ہو کہ میں نے اس کے چہرے پر لکھی ہوئی شکست کو پڑھ لیا ہے اور میں اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ میں نے آئینے میں اپنے چھوٹے چھوٹے ترشے ہوئے بالوں کو دیکھا اور اپنی آنکھوں میں ابھرنے والی فتح کی چمک کو بھی۔

زندگی میں پہلی بار فتح کے معنی میری سمجھ میں آئے۔ خوف ہمیشہ شکست کی طرف لے جاتا ہے اور فتح کے لئے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنی ماں سے میرا خوف ختم ہو چکا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میری ماں ایک عام سی عورت ہے۔ اس کی ذات کی سب سے بڑی قوت وہ تھپڑ تھے جو اس نے مجھے مارے۔ لیکن یہ تھپڑ بھی اب میرے لئے وجہ خوف نہیں رہے تھے۔۔ کیونکہ اب ان سے مجھے تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔

☆☆☆☆

مجھے اپنے سارے فلیٹ سے نفرت تھی سوائے اس کمرے کے جس میں میری کتابیں پڑی تھیں۔ مجھے اپنا سکول سوائے امور خانہ داری کے گھنٹے کے بہت پسند تھا۔ مجھے ہفتے کے سب دن پسند تھے ماسوائے جمعہ کے۔ میں سکول کی سب سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھی۔ ڈرامہ سوسائٹی' تقریری مقابلہ کی سوسائٹی' کھیلوں کے کلب' موسیقی اور آرٹ کلب میں سب کی رکن تھی۔ میں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا اور چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک سوسائٹی بنائی جس کا نام فرینڈ شپ کلب تھا۔ کیوں؟ میرے خیال میں اس کی وجہ میرے دل کی گہرائیوں میں رفاقت کی شدید خواہش کا موجزن ہونا تھا۔ لوگوں کے بڑے بڑے گروپوں کے ساتھ ایک مکمل بھرپور رفاقت جو غیر مشروط ہو۔ جو میرے ساتھ ہوں ان سے میں باتیں کروں' ان کی باتیں سنوں اور ہم سب اکٹھے آسمان کی طرف پرواز کر جائیں۔

مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں چاہے زندگی میں کتنی بھی کامیابی حاصل کرلوں لیکن میں کبھی مطمئن نہیں ہوسکتی۔ میرے اندر جلنے والا شعلہ کبھی نہیں بجھ سکتا۔

مجھے ایک ہی جیسے اسباق کو بار بار دھرانے سے نفرت ہونے لگی تھی۔ میں کسی بھی چیز کو صرف اور صرف ایک بار پڑھا کرتی اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ اگر میں نے اسے دوبارہ پڑھا تو میرا دم گھٹنے لگے گا۔ میں مرجاؤں گی مجھے ہر وقت کسی نئی اور نئی چیز... کی خواہش تھی۔

☆☆☆☆

جب وہ پہلی دفعہ میرے پڑھنے کے کمرے میں آیا تو مجھے پہلے تو اس کی آمد کا احساس نہیں ہوا وہ میرے قریب کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا''کیا تم تھوڑی دیر کے لئے کام چھوڑ کر آرام کرنا چاہو گی؟''

میں تو بہت عرصے سے پڑھ رہی تھی اور تھک گئی تھی لہٰذا میں نے مسکراتے ہوئے کہا''ہاں''

میں کھلی فضا میں سیر کے لئے چلوں گی''

''اپنا کوٹ پہن لو اور چلو''

میں نے جلدی سے اپنا کوٹ پہنا اور بھاگ کر اس تک پہنچی' میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے والی تھی تا کہ ہم دونوں اکٹھے اس طرح بھاگ سکیں جیسے ہم بچپن میں بھاگا کرتے تھے لیکن میں نے جب اس کی طرف دیکھا تو اچانک مجھے خیال آیا کہ اس بات کو کتنے سال گزر چکے ہیں۔ آخری دفعہ بچوں کی طرح کھیلے ہوئے بہت برس گزر چکے تھے ان سالوں میں تو میری ٹانگیں یہ بھی بھول چکی تھی کہ دوڑا کیسے جاتا ہے اور بالغ لوگوں کی طرح آہستہ آہستہ حرکت کرنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ واپس اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا اور آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔

''تم بڑی ہو گئی ہو' اس نے کہا

''تم بھی تو بڑے ہو گئے ہو''

''کیا تمہیں یاد ہے جب ہم اکٹھے کھیلا کرتے تھے''

''ہم جب بھی دوڑ لگایا کرتے تو تم مجھے ہرا دیا کرتے تھے''

''اور تم ہمیشہ ماربل میں جیت جایا کرتی تھیں''۔

ہم دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہوا میرے سینے میں بھر گئی اور مجھے ایک عجب سی تقویت کا احساس ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے مجھے کوئی ایسی چیز دوبارہ مل گئی ہو جو میرے پابندیوں میں جکڑے بچپن میں مجھ سے چھین لی گئی تھی۔

''میں شرط لگاتا ہوں کہ اگر ہم دوڑ لگائیں تو اب بھی میں جیت جاؤں گا''

''نہیں۔ میں تمہیں ہرا دوں گی'' ''میں نے اعتماد سے کہا۔

''چلو دیکھتے ہیں''

ہم نے زمین پر ایک لکیر کھینچی اور ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہو گئے۔ اس نے پکارا'' ''ایک .... دو..... تین'' اور ہم بھاگ پڑے۔ میں پہلے منزل پر پہنچنے والی تھی کہ اس نے کپڑوں سے پکڑ کر مجھے پیچھے سے کھینچ لیا۔ میں لڑکھڑائی اور گر پڑی وہ بھی میرے ساتھ گر پڑا۔ میں نے ہانپتے ہوئے اس کی طرف دیکھا' وہ کچھ ایسے عجیب سے انداز سے مجھے گھور رہا تھا کہ میرے رخسار شرم سے گلابی ہو گئے۔ میں نے دیکھا اس کا بازو میری کمر کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس نے اپنی بھاری آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی' ''میں تمہیں چومنے لگا ہوں''۔

ایک عجیب سی کیفیت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور ایک لمحہ کہ لئے بجلی کی سی تیزی نے میرے جسم میں ایک احساس بیدار کر دیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا بازو اور آگے بڑھائے اور مجھے سختی سے بھینچ لے لیکن میری یہ عجیب سی پوشیدہ خواہش شدید غصے میں بدل گئی۔

میری اس ناراضگی نے اس کے ارادے کو پختہ کر دیا اور اس کی آہنی گرفت مزید مضبوط ہو گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھ میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ میں نے اس کا ایک بازو ایک جھٹکے سے اپنے جسم سے الگ کر دیا اور اس کے منہ پر زور کا تھپڑ دے مارا۔

☆☆☆☆

میں شدید پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں ساری رات کروٹیں

بدلتی رہی عجیب قسم کے محسوسات میرے جسم میں دوڑتے رہے اور ایسے ہی تصورات میری آنکھوں کے سامنے پھرتے رہے' ان میں سے ایک تصویر تو میری آنکھوں کے سامنے جامد ہو کر رہ گیا اور باوجود کوشش کے میں اس سے نجات حاصل نہ کر سکی' میرا کزن زمین پر میرے ساتھ لیٹا ہے' اس کا بازو میری کمر کے گرد تقریباً لپٹا ہوا ہے اور اس کی عجیب سی نگاہیں میرے دماغ میں سوراخ کرتی جا رہی ہیں۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس تصور میں کھو گئی جس میں اس کا بازو سختی سے میرے گرد لپٹا ہوا تھا اور اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں پر پیوست تھے۔

میں نے اپنا سر بستر کی چادر میں چھپا لیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اپنے اس ہاتھ سے اسے تھپڑ مارا تھا جو اب میرے تصور میں اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ میں نے چادر سختی سے اپنے سر پر لپیٹ لی تاکہ وہ خواب دوبارہ آ کر مجھے پریشان نہ کرے لیکن وہ خواب پھر بھی میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں نے تنگ آ کر تکیہ اپنے سر پر رکھ لیا اور اسے پورے زور سے دبایا تاکہ میرے تصور کا یہ ضدی عفریت اس بوجھ میں دب جائے' حتیٰ کہ مجھے نیند آ گئی۔

☆☆☆☆

اگلی صبح جب میری آنکھ کھلی تو صبح کی روشنی اندھیرے اور رات کے عفریت پر غالب آ چکی تھی۔ میں نے کھڑکی کھولی تازہ ہوا اندر آئی اور رات کے خواب کے بقیہ اثرات اپنے ساتھ اڑا کر لے گئی۔ میں اپنی ذات کے اس بزدل حصے پر بڑے تمسخرانہ انداز میں مسکرائی جو کہ دن کے دوران میری ذات کے دلیر حصے کے سامنے خوف سے کانپ اٹھتا تھا' لیکن پھر رات کو چپکے سے میرے بستر میں آ جاتا اور ساری رات کے اندھیرے کو تصورات اور تخیلات سے بھر دیتا تھا۔

سیکنڈری سکول کے آخری سال میں میں اپنی کلاس میں اول آئی ... اور حیران تھی کہ اب آگے کیا کروں ... مجھے اپنی نسوانیت سے نفرت تھی' اپنی فطرت سے مخاصمت تھی اور اپنے جسم کے متعلق میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی' اب مجھے مسترد کرنا چیلنج

کرنا تھا اور مزاحمت کرنا تھی! میں اپنی نسوایت کو مسترد کروں گی تا کہ اپنی ماں اور نانی پر یہ ثابت کر دوں کہ میں ان جیسی عورت نہیں ہوں جو اپنی ساری زندگی باورچی خانے میں لہسن پیاز کاٹتے گزار دیتی ہیں اور پورا دن اس کوشش میں ضائع کر دیتی ہیں کہ اس کا خاوند خوب سیر ہو کر کھانا کھا سکے۔

میں اپنی ماں کو یہ دکھا دینا چاہتی تھی کہ میں اپنے بھائی سے زیادہ ذہین ہوں اور اس مرد سے بھی جس کے لئے میری ماں نے مجھے کریم رنگ کے کپڑے پہننے کو کہتی تھی بلکہ ہر مرد سے' اور یہ کہ میں ہر وہ کام کر سکتی ہوں جو میرے باپ نے کیا یا اس سے بھی زیادہ۔

MashalBooks.com

شعبہ طب؟ ہاں' طب .... یہ لفظ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ اس لفظ کے آتے ہی مجھے سٹیل کے چمکدار فریم کے پیچھے حیرتناک تیزی سے گھومتی زیرک آنکھیں اور مضبوط نوکیلی انگلیاں اور ان میں پکڑی لمبی خوفناک سوئی یاد آ جاتی ۔ مجھے وہ واقعہ یاد ہے جب میں نے پہلی مرتبہ کسی ڈاکٹر کو دیکھا تھا' میری ماں خوف سے کانپ رہی تھی اور ڈاکٹر کی طرف بڑی **ملتجیانہ**' مودبانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی ۔ میرا بھائی بھی خوفزدہ تھا' اور میرا باپ بستر میں لیٹا اس سے مدد مانگ رہا تھا۔ طب میرے نزدیک خوفزدہ کر دینے والی شے تھی جس نے میری ماں' باپ اور بھائی کو عزت کرنے بلکہ اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تو میں ڈاکٹر بنوں گی' طب پڑھوں گی' چمکدار سٹیل کے فریم کی عینک پہنوں

گی' اپنی آنکھوں کو حیرتناک تیزی کے ساتھ گھماؤں گی' خوفناک قسم کی تیز لمبی سوئی پکڑنے کے لئے اپنی انگلیوں کو مضبوط اور نوکیلی بناؤں گی۔ پھر میں اپنی ماں کو اپنی سامنے خوف سے کانپنے پر مجبور کر دوں گی اور میری طرف مودبانہ انداز سے دیکھے گی' میرا بھائی بھی مجھ سے ڈرنے پر مجبور ہوگا اور میرا باپ مجھ سے مدد مانگے گا۔ میں فطرت پر یہ ثابت کر دوں گی کہ میرے کمزور جسم کے اندرونی اور بیرونی شرمناک حصوں کی وجہ سے مجھے جو دشواریاں درپیش ہیں میں ان پر غالب آ سکتی ہوں۔ میں اپنے جسم کو اپنی قوت ارادی اور ذہانت کی آہنی جیل میں قید کر دوں گی اور اسے کبھی یہ موقع نہیں دوں گی کہ وہ مجھے جاہل عورتوں کی صف میں لا کھڑا کرے۔

☆☆☆☆

میں شعبہ طب کی عمارت کے صحن میں کھڑی اپنے متعلق سوچ رہی تھی۔ سینکڑوں تیکھی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔ میں کیوں اپنی نگاہیں نیچی کرتی جب کہ وہ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے؟ وہ سر اٹھا کر چل رہے تھے تو میں کیوں اپنا سر جھکاتی؟ وہ سب پر اعتماد بلکہ فخریہ انداز سے چل رہے تھے تو میرے قدم کیوں لڑکھڑاتے؟ میں بھی تو ان جیسی مخلوق تھی یا کئی اعتبار سے ان سے بہتر۔ میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی' مجھے یوں لگ رہا تھا کہ اب میں جیسے چاہوں آزادی کے ساتھ حرکت کر سکتی ہوں۔ میں نے زندگی گزارنے کے لئے اپنے راستے کا تعین کر لیا تھا' ذہن کا راستہ۔ میں نے اپنی جسمانی' حسیات پر شعوری طور پر موت وارد کر لی تھی تاکہ اب مجھے مزید اپنے جسم کے وجود کا احساس نہ ہو سکے۔

☆☆☆☆

میں چیر پھاڑ کے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی' اندر اتر جانے والی بو... سنگ مرمر کی سلوں پر پڑی انسانی لاشیں۔ میں خوفزدہ قدموں سے چلتی کمرے کے اندر چلی گئی۔ میں ان ننگی لاشوں میں سے ایک کے قریب گئی اور اس کے برابر کھڑی ہو

گئی۔ یہ ایک مرد کا جسم تھا... بالکل ننگا۔ دوسرے طالب علم چہروں پر شرارت بھری مسکراہٹ لئے میری طرف دیکھ رہے تھے' اور منتظر تھے کہ دیکھیں کہ اب میں کیا کرتی ہوں۔ میں باہر بھاگ جانے کے لئے تقریباً مڑ چکی تھی' لیکن نہیں' میں ایسا نہیں کروں گی۔ میری دوسری طرف ایک عورت کا ننگا جسم پڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لڑکوں کا ایک گروہ اس کے گرد جمع تھا اور بغیر کسی شرم وحیا کے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے واپس مڑ کر بڑی بے باکی اور مستقل مزاجی کے ساتھ مرد کی لاش کا معائنہ شروع کر دیا۔

☆☆☆☆

ایک ننگے مرد کے ساتھ میرا پہلی بار سامنا ہوا تھا' اور اس دوران مرد' میری نگاہوں میں اپنی تصوراتی عظمت اور طاقت کھو چکا تھا۔ مرد ایک بلند تخت سے نیچے آ گرا تھا اور اب ایک عورت کے سامنے چیر پھاڑ کے میز پر پڑا تھا۔ تو پھر میری ماں میرے اور میرے بھائی کے درمیان اتنی تفریق کیوں رکھتی تھی؟ اور مرد کو ایسا دیوتا بنا کر کیوں پیش کرتی تھی جس کی' مجھے ہر حال میں باورچی خانے میں بیٹھ کر عمر بھر خدمت کرنا تھی؟ معاشرہ مجھے ہمیشہ یہ باور کرانے کی کوشش کیوں کرتا رہا کہ مردانگی ایک اعزاز ہے اور نسوانیت کمزوری اور ذلت؟ کیا میری ماں کبھی اس بات پر یقین کر سکتی ہے کہ میں نے ایک ننگے مرد کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا معدہ اور سر چاقو کے ساتھ کھول دیا؟ کیا یہ معاشرہ اس بات کو مانے گا کہ میں نے ایک مرد کے جسم کا معائنہ کیا اور بغیر اس بات کی پرواہ کئے کہ یہ مرد کا جسم ہے اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا؟

آخر یہ معاشرہ ہے کون؟ کیا ان مردوں کو بھی میرے بھائی کی طرح بچپن سے یہی نہیں سمجھایا گیا کہ مرد دیوتا ہوتے ہیں اور عورتیں ماں کی طرح کمزور اور غیر اہم؟ تو ایسے لوگ کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ ایک ایسی عورت بھی ہو سکتی ہے جو مرد کو اعصاب' پٹھوں' آنتوں اور ہڈیوں کے ایک مجموعے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی؟

مرد کا جسم! ماؤں اور چھوٹی لڑکیوں کے لئے ہوا' جو اس کو خوراک بھرنے کی خاطر باورچی خانے کی شدید گرمی میں جھلستی ہیں اور دن رات اس کے خوف

کے ساتھ جیتی ہیں ایک ایسا ہی جسم میرے سامنے پڑا تھا' ننگا' غلیظ' ٹکڑوں میں بٹا ہوا جسم' میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی میری ماں کو اتنی جلدی غلط ثابت کر دے گی یا مجھے اس مظلوم مرد سے اس طرح انتقام لینے کا موقع اتنی جلد مل جائے گا جو ایک دن میری چھاتیوں کو گھورتا تھا اور اسے میری ذات میں ان کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا آج میں اس کے ننگے جسم کو دیکھ رہی تھی اپنے نشتر سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی اور میرا جی متلا رہا تھا۔

کیا یہی ہے مرد کا جسم' باہر سے بالوں سے ڈھکا ہوا اور اندر سے بدبو دار گلے سڑے اعضاء سے بھرا ہوا' دماغ سفید بہتا سیال اور دل سرخ رنگ کا گاڑھا خون ۔ مرد اندر اور باہر سے کس قدر غلیظ تھا.... اتنا غلیظ جتنی کہ کوئی چیز ہوسکتی ہے ۔

☆☆☆☆

میں نے سنگ مرمر کی میز پر لیٹی نوجوان عورت کا معائنہ کیا۔ اس کے ملائم لمبے بال سرخ رنگ ہوئے تھے اور فارملین میں دھلے ہوئے تھے۔ اس کے دانت سفید اور چمکدار تھے اور سامنے کا ایک دانت سونے کا تھا' لیکن جڑوں کے قریب دانت زرد تھے' اس کی چھاتیاں کمزور اور نیچے لٹکی ہوئی تھیں' گوشت کے یہ دو ٹکڑے جن کے باعث میں سارا بچپن اذیت میں مبتلا رہی' جو لڑکیوں کے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں اور مردوں کے ذہنوں اور آنکھوں کو ذخیرہ کر دیتے ہیں اب سوکھ چکے تھے اور ان پر پرانے جوتے کی طرح جھریاں پڑ گئی تھیں مردوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے والی یہ شے دراصل کتنی غیر اہم ہے! لڑکیوں کا مستقبل دراصل کتنا غیر محفوظ ہے اور یہ لمبے چمکدار بال جس کے عذاب میں میری ماں نے ہمیشہ مجھے مبتلا رکھا ۔ ۔ ۔ عورت کی خوبصورتی کا تاج' جو وہ ساری زندگی اپنے سر پر اٹھائے پھرتی رہی اور اپنی آدھی عمر جن بالوں کو بنانے، چمکانے اور رنگنے میں ضائع کر دی اب وہ گوشت کے بیکار ٹکڑوں اور دوسری غیر ضروری چیزوں کے ساتھ ردی کی گندی ٹوکری میں پڑے تھے ۔

☆☆☆☆

مجھے اپنے حلق میں ایک کھٹا سا ذائقہ محسوس ہوا' جب میں نے تھوکا تو

MashalBooks.com

یہ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا چبانے کی کوشش کی لیکن میرے دانت بڑی مشکل سے ہل رہے تھے۔ میں نے اسے نگلنے کی کوشش کی لیکن روٹی کے ٹکڑے سے رگڑ کھا کر میرا حلق اور معدہ چھلنے لگے تھے پھر میں نے محسوس کیا کہ میرے معدے کی تیزابی رطوبتیں روٹی کے ٹکڑے پر اپنا کام کر رہی ہیں اور میری بڑی آنت اسے نگلنے کے لئے پھیل رہی ہے۔ مجھے اپنے سینے پر بوجھ محسوس ہو رہا تھا' میں جانتی تھی کہ میرا دل کیوں خون پمپ نہیں کر رہا ہے لیکن مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے خون واپس وریدوں میں رینگ رہا ہے' میرے اعضاء میں زندگی کی دھڑکن مدھم پڑ رہی ہے۔ ہوا میرے نتھوں میں داخل ہو کر حلق سے گزرتی ہوئی میرے پھپھڑوں کو بھر رہی تھی۔ میرے پھیپھڑے پھول کر غباروں جیسے ہو گئے تھے یہاں تک کہ میرے سینے میں مزید ہوا کے داخل ہونے کی گنجائش ہی نہ رہی اور مجھے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا۔ اب میرے ہونٹ حرکت نہیں کر پا رہے تھے' میں اپنے بازو نہیں پھیلا سکتی تھی' میرے دل کے پٹھے کام نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی میری رگیں خون کی گردش سے دھڑک رہی تھیں۔

آہ .... میں مر چکی ہوں! خوف کے عالم میں میں نے چھلانگ لگائی....

نہیں' میں نہیں مروں گی! میں نے اپنے سامنے بڑی لاشوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ میں نے نشتر نیچے رکھا اور چیر پھاڑ کے کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ گلی میں میں نے حیرت سے اپنے اردگرد دیکھا' لوگ چل رہے تھے بغیر سوچے سمجھے اپنی ٹانگوں' بازوؤں کو حرکت دے رہے تھے' بس پکڑنے کے لئے بڑی آسانی کے ساتھ دوڑ رہے تھے اپنے منہ کھولتے تھے' ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے اور بغیر ذرا سی تکلیف کے سانس لے رہے تھے' باتیں کر رہے تھے۔

میں مطمئن ہو گئی' زندگی جاری و ساری تھی اور میں ابھی زندہ تھی۔ میں نے اپنا پورا منہ کھول کر گلی کی ہوا اپنے پھیپھڑوں مین بھری اور گہر سانس لی۔ میں نے اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو حرکت دی اور انسان کے امڈتے ہجوم کے درمیان چلنے لگی۔ زندگی کتنی سہل ہے اگر اسے اس کے فطری انداز میں گزارا جائے!

☆☆☆☆

ایک چھوٹی سی گول چیز' انڈے کی شکل کا گوشت کا ٹکڑا میرے نشتر کے نیچے مرتعش تھا میں نے اسے ہاتھ میں اٹھا لیا اور پھر سکیل پر رکھ دیا۔ میں نے اسے انگلیوں کے سروں سے چھو کر محسوس کیا' اس کی سطح نرم اور ناہموار تھی' بالکل خرگوش کے اس دماغ کی طرح جو میں نے کچھ ہی دیر پہلے اس کی چھوٹی سی کھوپڑی میں سے نکالا تھا۔ کیا یہ ایک انسان کا دماغ ہوسکتا تھا؟ گوشت کا یہ نرم سا ٹکڑا کیا وہ عظیم انسانی دماغ ہوسکتا ہے جس نے فطرت کو تسخیر کیا' زمین کی تہہ تک پہنچ گیا اور چاند سورج کے تعاقب میں خلائی مدار تک جا پہنچا۔ انسانی دماغ جو چٹانوں میں شگاف ڈال سکتا ہے پہاڑوں کو حرکت دے سکتا ہے اور ایٹم سے اتنی آگ نکال سکتا ہے جس سے پوری دنیا تباہ ہو جائے؟

میں نے نشتر پکڑا اور دماغ کو ٹکڑوں اور پھر مزید چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ میں نے اسے دیکھا' محسوس کیا' غور و خوض کیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ صرف نرم گوشت کا ایک ٹکڑا ملا جو میری انگلیوں کے نیچے ٹوٹ پھوٹ گیا۔

میں نے اس کا ایک ٹکڑا مائیکروسکوپ کے نیچے رکھا لیکن انگور کے گچھوں کی سی شکل کے خلیوں اور ان خلیوں کے مراکز کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ یہ کس طرح کام کرتے ہیں اور لوگوں کو سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کے قابل کس طرح بناتے ہیں؟ میں نے اپنی درسی کتاب کھولی اور دماغ کی کارکردگی کی وضاحت کرنے والی تصاویر دیکھنے لگی یہ تو کسی پیچیدہ مشینری' ٹیلی ویژن' ہوائی جہاز یا کسی آبدوز یا پھر دنیا کے نقشے سے ملتی جلتی ڈرائینگ تھی جس میں پیغام رسانی اور پیغام وصولی کے سینکڑوں مقامات اور دھاگے کی شکل کی سینکڑوں اعصابی تاریں تھیں اور میں یہ جانتی تھی کہ میرے ہاتھ میں پکڑا ہوا گوشت کا یہ ٹکڑا اس سارے نظام کا نگران ہے یہ جسم کے تمام اعضاء کے پیغامات وصول کرتا اور پھر اعصابی تاروں کے ذریعے انہیں احکامات صادر کرتا ہو؟ دل کو کہے دھڑکو' بازوؤں کو کہے نیچے ہو جاؤ' یا' اوپر ہو جاؤ' یا ٹانگوں کو کہے'' چلو' رک جاؤ'' اعصابی خلیوں کا بچھا ہوا یہ جال ایک دوسرے میں الجھے بغیر کس طرح کام کرسکتا ہے؟ آنکھ' کان' ناک' زبان' انگلیوں کی طرف سے بھیجے گئے پیغامات کو ایک دوسرے میں الجھائے بغیر کیسے

سمجھ لیا جاتا ہے؟ میں نے دوبارہ مائکروسکوپ کے نیچے چھوٹے چھوٹے گول خلیوں کو دیکھا اور ایک بار پھر ورطہ حیرت میں غرق سوچنے لگی کہ انسان مادہ حیات کی ان باریکیوں کی تہہ تک کیسے پہنچا اور کیسے اس کا علم حاصل کیا

اس راز کو جاننے کے لئے میں نے اپنی درسی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔علم کیمیا میں کتابیں کہتی تھیں کہ کیمیاوی ردعمل کے نتیجے میں مادے کی جزئیات متحرک ہوئیں' انہوں نے اپنی شکل بدلی تو زندگی وجود میں آئی۔علم طبعیات کی کتابوں کے مطابق بجلی نے ایٹم کی شکل تبدیل کر کے زندگی پیدا کی اور فزیالوجی کی کتابیں مادہ حیات کے سلسلے میں عمل معکوس اور رطوبت کی بات کرتی تھیں۔

میں نے اس کھوج میں پڑھنا' تحقیق وتفتیش کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انسانی جسم کا ڈھانچہ اور اس کا پورا نظام مجھے زبانی یاد ہوگیا میں نے اعصابی نظام کے تمام حصوں کے نام' اعصابی خلیوں کے پورے جسم میں پیغام رسانی کے طریقہ کار' رگوں اور وریدوں کے نام ان کی لمبائی چوڑائی' ان کی دیواروں کی قسم' ہڈیوں کی بناوٹ' ہڈیوں کے گودے اور خون کا علم حاصل کیا میں نے یہ بھی معلوم کیا کہ میرا دل کیسے دھڑکتا ہے اور میرے چہرے کی رنگت شرم سے سرخ کیوں ہوتی ہے؟ میں آگ کی جلن کیسے محسوس کرتی ہوں اور اپنا ہاتھ آگ سے دور کیسے ہٹاتی ہوں؟ مجھے پشیمانی میں پسینہ کیوں آجاتا ہے اور میرے پاؤں خوف سے ٹھنڈے کیوں پڑجاتے ہیں؟

دل ایک مکان کی طرح ہوتا ہے' اس کے کمروں میں پٹھوں کی بنی ہوئی دیواریں اور والو کے دروازے ہوتے ہیں' ایک کمرے کی دیواریں سکڑتی ہیں اور خون اس کمرے سے نکل کر اگلے کمرے میں چلا جاتا ہے جس کی اعصابی دیواریں کھچاؤ کا شکار نہیں ہوتیں پھر اس کا والو دروازہ بند ہوجاتا ہے .... دل کی دھڑکن' خون کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے اور دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے سے پیدا ہونے والی آواز ہوتی ہے۔لیکن دل کے اعصاب کو یہ کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ ان کو کب سکڑنا اور کب پھیلنا ہے؟ ایک پیغام! سینے میں واقع مرکز کی ایک رگ ایک ٹیلی گرام کے ذریعے یہ پیغام دل تک پہنچاتی ہے اور یہاں سے یہ پیغام دماغ میں واقع اعصابی مرکز کو

MashalBooks.com

پہنچایا جاتا ہے۔خون پھیپھڑوں سے دل تک کیسے پہنچتا ہے اور اس کے بعد ایک بار پھر صاف ہونے کے لئے دوبارہ پھیپھڑوں میں واپس کیسے جاتا ہے؟ یہ سب ایک مخصوص نظام کے ماتحت ہوتا ہے۔

انگلی کے آگ سے جلنے کا احساس مجھے کیسے ہوتا ہے؟ میری انگلیوں میں موجود اعصاب دماغ کو ایک پیغام پہنچاتے ہیں جس کا مفہوم جلن سے پیدا ہونے والے درد کا احساس دماغ تک پہنچاتا ہے اور یہاں سے بازو کے اعصاب کو ایک فوری پیغام بھیجا جاتا ہے کہ سکڑ جاؤ اور انگلیاں آگ سے دور کرلو۔ یہ کون سوچ سکتا ہے کہ جتنے عرصے میں ہم اپنی انگلیاں آگ سے ہٹاتے ہیں اس عرصے میں دماغ اور انگلیوں کے درمیان دو رویہ پیغام رسانی مکمل ہو جاتی ہے؟

گھبراہٹ سے پسینہ اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ دماغ کے اعصابی مراکز اور پسینے کے غدود کے درمیان' مکالمہ نہ ہو جائے۔ اس مکالمے کے بعد دماغ ان غدودوں کو حکم دیتا ہے کہ رطوبت کے قطرے ٹپکاؤ۔

ہاتھ' پاؤں اس وقت تک ٹھنڈے نہیں ہوتے جب تک کہ خوف کا سگنل دماغ تک نہ پہنچ جائے اور وہ جلد خون کی نالیوں کو سکڑ جانے کا حکم نہ دیں تاکہ وہ کسی ممکنہ زخم سے نمٹنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

میں نے آواز اور عکس کے کانوں اور آنکھ سے دماغ میں منتقل ہونے کے عمل کا علم حاصل کیا اور یہ کہ نامیاتی اجسام روٹی کی شکل کیسے اختیار کرتے ہیں' اوون کی گرمی میں بننے والی ایک بے جان چیز یعنی روٹی انسانی جسم کے اندر کی گرمی میں پہنچ کر دوبارہ جاندار خلیوں کی شکل کیسے اختیار کر لیتی ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا جب میں سوتی ہوں تو میرے دماغ کا ایک حصہ چوکس اور چوکنا رہتا ہے' میرے دل کی دھڑکن پر نظر رکھتا ہے اور میرے خوابوں کی تصویروں کو کنٹرول کرتا ہے۔ جب میں خوابوں کی دنیا میں آسمان تک پہنچ جاتی ہوں یا آسمان سے نیچے گر کر کسی دھاڑتے ہوئے سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب جاتی ہوں تو یہ مجھے بستر سے باہر گرنے سے بچاتا ہے اور بیشتر اس کے کہ جنگل کا آسیب میرے گوشت میں

اپنی دانت گاڑ دے اور خوف سے میرا بستر بھیگ جائے میرے دماغ کا یہ چوکس حصہ مجھے جگا دیتا ہے۔ ایک نئی دنیا میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ پہلے تو میں اس کے بارے میں متذبذب تھی لیکن پھر علم اور آگاہی کی خواہش کے پر ہیجان جذبے کے زیر اثر میں اس میں ڈوبتی چلی گئی۔ سائنس نے انسانی وجود کے راز مجھ پر فاش کر دیئے تھے اور میری ماں کی میرے اور میرے بھائی کے درمیان امتیاز کی لمبی چوڑی خلیج کی تعمیر کی کوشش کو لغو ثابت کر دیا تھا۔

سائنس نے مجھے بتایا تھا کہ عورتیں مردوں کی مانند ہیں اور مرد جانوروں کی مانند۔ عورت کا بھی من وعن مرد جیسا دل، دماغ اور اعصابی نظام ہوتا ہے، اور ایک جانور بالکل انسانوں جیسا دل، دماغ اور اعصابی نظام رکھتا ہے۔ ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا! ہر عورت کے اندر ایک مرد ہوتا ہے اور ہر مرد کے وجود کی گہرائیوں میں ایک عورت چھپی ہوتی ہے۔ ہر عورت میں کچھ نظر آنے اور کچھ چھپے ہوئے مردانہ اعضاء ہوتے ہیں اور ہر مرد کے خون میں نسوانی ہارمون ہوتے ہیں اور تمام انسانوں میں ایک کٹی ہوئی دم ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصے میں پائے جانے والے چند چھوٹے مہروں کی شکل میں موجود ہوتی ہے اور جانور بھی آنسو بہاتے ہیں۔

میں اس نئی دنیا میں بہت خوش تھی جس میں مرد عورتیں اور جانور شانہ بشانہ کھڑے تھے اور میں سائنس سے بھی بہت خوش تھی جو مجھے عظیم الشان طاقت والا، لامحدود علم والا منصف دیوتا نظر آتی تھی، میں اس پر ایمان لے آئی اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆

میں صرف اس کا چہرہ دیکھ سکتی تھی اس کی آنکھیں ہمدردی کے ایک تاثر کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں اور اس کا ننگا کمزور بازو سردی سے کانپ رہا تھا اس کا سارا جسم دھات کے سخت ڈسک سے ڈھکا ہوا تھا جس کے اندر ربڑ کی کچھ ٹیوبیں باہر سے نکلی ہوئی تھیں اور ان نالیوں کے دوسرے سرے مختلف لوگوں کے کانوں میں تھے اور

ان لوگوں کے کان مجھے خرگوش کے کانوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ سٹیتھوسکوپ اس بچے کے ننگے سینے سے چند لمحوں کے لئے اٹھایا جاتا لیکن اگلے ہی لمحے دوسرے طالب علم تیزی سے اپنے سٹیتھوسکوپ اس خالی جگہ پر رکھ دیتے' کچھ سٹیتھوسکوپ کھردرے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے کچھ سرخ پالش شدہ ناخنوں والے نرم ہاتھوں میں تھے' لیکن یہ سب اس بچے کی معصوم پسلیوں کو ٹھنڈی دھات سے دبا رہے تھے۔

پروفیسر کی آواز آئی' ''آؤ اور اس کے دل کی دھڑکن سنو''۔

میرے ساتھی طالب علموں کے ہاتھوں نے اس بیمار بچے کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ طالب علموں کے ہجوم کے ایک ریلے نے مجھے آگے دھکیلا۔ سٹیتھوسکوپ کانوں میں لگائے میں کھڑی انتظار کر رہی تھی کہ اس نحیف ونزار جسم پر تھوڑی سی جگہ خالی ہو۔ میں نے دیکھا مجھ سے پہلے کے طالب علم کے آلے کی وجہ سے اس کے سینے پر سرخ رنگ کا گول گڑھا بن گیا تھا۔ میرا سٹیتھوسکوپ میرے ہاتھ میں لہرا کر رہ گیا اور مجھے اس کو بچے کے سوجے ہوئے جسم پر رکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اس لمحے مجھے کسی نے بیدردی سے ایک طرف کر دیا اور طالب علموں کے ہجوم نے مجھے بیمار بچے کے بستر پر دھکیل دیا موٹے شیشوں کی عینک والے ایک طالب علم نے میری جگہ لے لی اور اپنا سٹیتھوسکوپ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس بچے کے سینے پر پیوست کر دیا جیسے اسے وہاں پڑا ہوا گڑھا نظر ہی نہ آ رہا ہو۔ بچے کے خشک ہونٹوں سے ایک ہلکی سی شکایت ابھری لیکن اس کے بستر کے گرد جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہجوم کے شور میں دب کر رہ گئی۔

میرا دل چاہ کہ میں زور زور سے چیخوں اور عقل کے خلاف چلتے ہوئے' سٹیتھوسکوپ پکڑے ہوئے ان ظالم ہاتھوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس بچے کے سینے کو آزاد کر دوں لیکن میں نے بڑی مشکل سے اس خواہش کو دبایا میں وہاں خاموش کھڑی تھی میرے ہاتھ اپنی جگہ پر ساکت تھے کیونکہ میری عقل مضبوط اور چوکس تھی اور سائنس تھی اور سائنس کا دیوتا طاقتور اور بے رحم ہے....

☆☆☆☆

وہ میرے سامنے کھڑا تھا اس کی گھنے بالوں سے ڈھکی ہوئی ٹانگیں مڑی ہوئی تھیں اس نے احتجاجاً میری طرف دیکھا ''کیا میں اپنے زیر جامہ بھی اتار دوں'' پروفیسر نے بڑی سرد مہری اور بے دردی سے اس کی طرف دیکھا اور حکم دیا ''اپنے سارے کپڑے اتار دو''!

وہ بیمار شخص سراسیمگی کے عالم میں مسلسل میری طرف دیکھتا رہا اور ہچکچاتے ہوئے اس نے اپنی پتلون کی پیٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کو بغیر کوئی مہلت دیئے پروفیسر جست لگا کر آگے بڑھا اور اس کی پتلون نیچے گرا دی اور اب وہ شخص ہمارے سامنے بالکل ننگا تھا۔

میں نے دستانے پہنے اور اس کی طرف بڑھی وہ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں کسمسانے لگا..... یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک عورت اسے بے لباس کرے اور اس کا معائنہ کرے؟ اس نے اس سے بچنے کی بہت کوشش کی لیکن پروفیسر نے اس کے منہ پر زور کا تھپڑ دے مارا جس کے بعد اس نے اپنا وجود میری تفتیشی انگلیوں کے سامنے پیش کر دیا جیسے کہ وہ انسان نہیں ایک لاش ہو۔

سائنس کے دیوتا کو رحم اور شرم سے کوئی سروکار نہیں ہے وہ کتنا سخت گیر ہے! میں نے اس کی پرستش میں کیا کیا مصیبتیں جھلیں! ایک زندہ انسان کا جسم میری نگاہ میں اپنا تمام عزت و وقار کھو چکا تھا اور میرے لئے یونہی تھا جیسے ایک لاش۔ میرے ذہن میں انسانی جسم بے ترتیب اعضاء اور پسلیوں کے انتشار کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

☆☆☆☆

رات سرد اور سنسان تھی اور اندھیرا خاموش اور پرسکون، روشن کھڑکیوں والا یہ عظیم ہسپتال کسی خبطی چرخ کی طرح اندھیرے میں اکڑوں نظر آ رہا تھا مریضوں کے کراہنے اور شدید کھانسی کی آواز رات کی خاموشی کے پردے میں شگاف ڈال رہی تھی۔ میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں اکیلی کھڑی برابر میں رکھے ہوئے گلدان میں کھلنے والی سفید کلی کو دیکھ رہی تھی۔ جب میں نے اسے چھوا تو مجھے جھرجھری آ گئی جیسے کوئی لاش تھی اور کسی زندہ چیز کو پہلی دفعہ چھو رہی تھی۔ میں اسے اپنے چہرے کے قریب

لے آئی اور اس کی خوشبو اپنے اندر اتارنے لگی ۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میں سزا یافتہ قیدی ہوں جو زندگی کی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لئے جیل کی آہنی سلاخوں کے ساتھ ناک رگڑ رہا ہو۔ میں نے اپنا ہاتھ اپنی گردن پر رکھ لیا اور میری انگلیاں پھانسی کے پھندے کی طرح گردن کے گرد لپٹے ہوئے سٹیتھوسکوپ کے ساتھ رگڑ کھانے لگیں میرے کندھوں پر پڑا سفید کوٹ ایتھر آیوڈین اور دوسری جراثیم کش دوائیوں کی بو میں بسا ہوا تھا۔

میں نے اپنے ساتھ یہ کیا کیا؟ اپنی زندگی بیماری درد اور موت تک محدود کر لی ۔ لوگوں کے جسموں کے پرائیویٹ حصے دیکھنے کے لئے بے لباس کرنا اور ان کے سوجے ہوئے زخموں کا معائندہ کرنا اور ان سے نکلنے والی رطوبتوں کا تجزیہ کرنا اپنا روزانہ کا معمول بنا لیا۔ میری زندگی میں بستر میں لیٹے ہوئے' روتے ہوئے بدحواس یا بے ہوش مریضوں ان کی بے رونق سرخ یا زرد آنکھوں' ان کے فالج زدہ یا کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں' ان کی دل کی بے ترتیب دھڑکنوں' ان کی درد سے کراہتی ہوئی بھاری آوازوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ کیا میں اس معمول حیات کو اپنی زندگی کے باقی دنوں میں بھی برداشت کر سکوں گی؟ کیا اس معمول کو جاری رکھ سکوں؟ میں نے اس قیدی کی طرح گہری اداسی اور ناامیدی محسوس کی جس کی امید کی آخری کرن بھی بجھ چکی ہو۔

میں اپنے کمرے سے نکل کر باہر کامن روم میں آ کر بیٹھ گئی میں نے طب کا ایک رسالہ اٹھایا اور اسے پڑھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن میرا ذہن ڈاکٹروں کی ونگ کی طرف بھٹک گیا جہاں میری رات کی ڈیوٹی کے سب ساتھی سو چکے تھے بغیر کسی وجہ کے مجھے یہ خیال آیا کہ رات کے وقت میں یہاں ایک مرد کے ساتھ اکیلی ہوں اور میرے اور اس کے درمیان صرف ایک بند دروازہ ہے اگرچہ میں جاگ رہی تھی لیکن یہ خیال خواب کی طرح آیا اور میں خوفزدہ ہو گئی ...... نہیں' خوفزدہ نہیں پریشان ..... نہیں' یہ بھی نہیں میں نے اپنے اندر ایک خواہش محسوس کی جو کہ درحقیقت صرف ایک خواہش نہ تھی بلکہ ایک پریشان کر دینے والا عجیب سا احساس تھا جو مجھے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چوری چھپے اس بند دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔

☆☆☆☆

میرے قریب پڑا ٹیلیفون بجا رات کی ڈیوٹی کی نرس نے مجھے ایک خاتون مریض کے بستر کی طرف بلایا اگلے ہی لمحے میں وہاں تھی یہ ایک نوجوان شادی شدہ عورت تھی۔ میں نے اس کے دل کی دھڑکن سنی' جوڑوں کے درد کے باعث اس کے دل کے والو سخت ہو گئے تھے اور انہوں نے ناگوار سی کرخت آوازیں پیدا کرنا شروع کر دی تھیں۔صحت مند دلوں کی شیریں دھڑکنوں کے برعکس ناگوار سی آواز! والو کی نرمی اور لچک ختم ہو چکی تھی اور اب وہ دل کے کمروں کے دروازوں کو سختی سے بند نہیں کر سکتے تھے لہٰذا خون ان سے گڑگڑ کی آواز کے ساتھ ٹپکتا رہتا تھا جیسے کسی خراب کنوئیں کے چلنے کی آواز آ رہی ہو۔

میں نے اس نوجوان عورت کی طرف دیکھا' اس کی آنکھوں میں ایک چمک لہرائی''میں اسے کیا کہہ کر پکاروں گی''؟ اس نے مجھ سے پوچھا''یہ میرا پہلا بچہ ہے''۔

میں نے اسے ٹیکہ لگایا اور اپنی آنکھیں اینتھزیا کے پردے کے ذریعے اس کی آنکھوں سے چھپاتے ہوئے کہا''مجھے نہیں معلوم بلکہ ہم تو ابھی تک یہ بھی نہیں جانتے کہ لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی''۔

وقت گزرتا رہا' خوفناک لمحے! اور میں نے سائنس کے سخت آہنی جبڑوں میں جکڑا ہوا بچے کا ہموار سر اندھیرے سے اجالے میں آتے دیکھا۔ میں اس عورت کی جدوجہد کرتی اور کراہتی ہوئی دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔خون کے گڑگڑ کرنے کی آواز مدھم پڑ گئی تھی اور والو زور زور سے بج رہے تھے۔اس وقت بچے نے زور سے چیخ ماری اور میرا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا' میں اس بچے کے زندگی میں پہلی بار آنکھیں کھولنے اور اس وسیع دنیا کو پہلی بار دیکھنے کے عمل کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

اگلے ہی لمحے میں گنبد کی سی خوفناک خاموشی سے آگاہ ہو چکی تھی خون کی گڑگڑ اور والو کا زور زور سے بجنا سب ختم ہو چکا تھا میں نے اس عورت کی طرف

دیکھا اس کا چہرہ کسی پتھر کے بت کی طرح ٹھنڈا اور ساکت تھا اور اس کا سینہ کسی لکڑی کے صندوق کی طرح ساکن اس کو کیا ہو گیا ہے؟ کچھ ہی لمحے پہلے یہ باتیں کر رہی تھی' سانس لے رہی تھی اور حرکت کر رہی تھی۔ انسانی زندگی موت کے شکنجے سے چھڑانے کے میڈیکل سائنس کے تمام طریقے اور وسائل میں نے استعمال کر لئے۔ میں نے اس کی رگوں میں متحرک کرنے والے ٹیکے لگائے' اس کی ناک میں آکسیجن گھسیڑی' مصنوعی آلہ تنفس استعمال کیا' ایک لمبی سوئی براہ راست اس کے دل میں لگائی اس کے سینے اور دل پر مساج کیا اس کوشش میں کہ اس کی زندگی واپس آ جائے' اس کے منہ پر تھپڑ مارے تاکہ کسی قسم کا کوئی ردعمل پیدا ہوا سکے مگر کچھ بھی کام نہ آیا' سائنس بانجھ تھی۔ اس زمین پر موجود کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اس آنکھ کی بند پتلی کو صرف اور صرف مزید ایک بار حرکت دینے کی قدرت رکھتی ہو۔

میں نے اپنی توجہ نوزائیدہ بچے کی طرف کی جونرس کے بازوؤں میں چیخ رہا تھا اور اپنی ٹانگیں چلا رہا تھا۔ کیا یہ غیر معمولی بات نہیں تھی کہ گوشت کا یہ زندہ لوتھڑا اس اکڑے ہوئے ٹھنڈے جسم سے نکلا تھا؟ میں نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا اور قریب کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سائنس کا یہ جابر دیوتا جس کی میں اطاعت کرتی تھی مجھے یہ بتانے سے کیوں قاصر تھا کہ دل کے والوجوڑوں کے درد کے زیر اثر کیسے تباہ ہو جاتے ہیں؟ ایک نوجوان عورت کا دل دھڑکنا کیسے بند کر دیتا ہے؟ ایک مرتی ہوئی چیز ایک زندہ بچے کو کیسے جنم دے سکتی ہے؟ ایک بے جان چیز سے زندگی کی شمع کیسے روشن ہو سکتی ہے؟ زندگی کا شعلہ اتنی آب و تاب سے چمکنے کے بعد کیسے بجھ جاتا ہے؟ انسان کہاں سے آتا ہے اور موت کے بعد کہاں چلا جاتا ہے؟

میرے اندر ہونے والی جدوجہد کا دائرہ کار نسوانیت اور مردانگی کی حدود سے نکل کر اب پوری نسل انسانی تک پھیل گیا۔ اب انسان مجھے اپنے دماغ کے خلیوں کے پیچیدہ اعصابی نظام اور پٹھوں کے نظام کے باوجود انتہائی غیر اہم مخلوق نظر آتا تھا ایک چھوٹا جرثومہ جو عام نگاہ سے نظر بھی نہیں آتا سانس کے ساتھ ناک کے ذریعے جسم کے اندر جا کر پھیپھڑوں کے تمام خلیوں کو تباہ کر سکتا ہے ایک غیر شناخت شدہ وباء اچانک

پھیل کر تلی، کلیجی یا جسم کے کسی بھی اور حصے کے خلیوں کی تعداد کو خطرناک حد تک بڑھا دیتی ہے، اور ارد گرد کی ہر چیز کو کھا جاتی ہے۔ ناک کے نتھنوں سے دل کی طرف جانے والا ایک چھوٹا سا قطرہ فالج کر سکتا ہے۔ سب سے چھوٹی انگلی میں گھس جانے والی باریک سی سوئی سماعت، بصارت اور گویائی چھین سکتی ہے کسی ایکسیڈنٹ کے دوران خون میں سرایت کر جانے والا ہوا کا ایک بلبلہ جسم کو گلے سڑے بدبودار کتے یا گھوڑے جیسی غیر متحرک لاش میں تبدیل کر سکتا ہے۔

یہ مغرور متکبر طاقتور انسان جو مسلسل اتراتا اور جھنجھلاتا ہے سوچتا ہے اور نئی نئی اختراعیں کرتا ہے، ایک ایسے جسم کا مالک ہے جس کی ہست اور نیست کے درمیان بال برابر فاصلہ ہے۔ اگر ایک دفعہ جسم سے جان علیحدہ ہو جائے جیسا کہ ایک دن ہونا ناگزیر ہے۔۔ زمین پر کوئی ایسی طاقت نہیں جو جسم اور جان کے رشتے کو دوبارہ جوڑ دے۔

سائنس آج اپنے تخت سے گر کر میرے قدموں میں آ پڑی تھی ننگی، کمزور اور ناتواں بالکل ویسے ہی جیسے ایک دن مرد میری نگاہوں سے گر گیا تھا۔

میں نے پریشان ہو کر اپنے ارد گرد دیکھا سائنس نے مجھے کسی نئے فلسفے پر پہنچائے بغیر میرا پہلا یقین برباد کر دیا تھا۔ میں یہ جان گئی تھی کہ عقل اور دلیل کے جس راستے کا انتخاب میں نے اپنے لئے کیا تھا مختصر اور سطحی تھا، ایک ایسا راستہ جو ایک ناقابل تسخیر رکاوٹ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھولا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اپنے نقش قدم کو دوبارہ تلاش کروں یا اس رکاوٹ کے زیر سایہ بیٹھ کر اسی سے تحفظ حاصل کروں؟ ان میں سے کوئی بھی راستہ میرے لئے نہیں تھا، میری باغیانہ حرکتوں نے مجھے خاص قسم کی قوت ارادی اور طاقت دی تھی جس کی وجہ سے اب میرا اپنی ذات سے باہر کسی چیز سے تحفظ حاصل کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اور گر وہ چیز بذات خود ایک بڑی رکاوٹ ہو اور اس میں سے کوئی راستہ نہ نکلتا ہو تو اس کی امان میں جانا تو بالکل ہی ناممکن تھا۔

میرے قدم اب مجھے بالکل ہی ایک نئی سمت میں لے جا رہے تھے۔

MashalBooks.com

MashalBooks.com

MashalBooks.com

میں نے اپنی چیزیں سمیٹیں اور اس ٹرین میں سوار ہوگئی جو مجھے اس ماحول سے ...... اس شہر سے‘ سائنس کے پروفیسروں ان کی لیبارٹریوں‘ اپنے والدین‘ افرادخانہ اور دوسرے لوگوں‘ عورتوں‘ مردوں غرضیکہ سب سے دور لے جارہی تھی۔

میں نے ایک دور دراز پرسکون گاؤں میں ایک چھوٹا سا مکان لے لیا۔ میں اس کی بالکنی میں بیٹھ کر پرسکون سبز کھیتوں اور صاف ستھرے نیلے آسمان کا نظارہ کرنے لگی۔ میں پاؤں پسارے چار پائی پر لیٹی تھی‘ سورج کی گرم شعاعیں میرے بدن پر پڑرہی تھیں۔ایک کیف آگیں کاہلی مجھ پر چھاگئی اور میں جمائیاں لینے لگی۔

زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں کسی جگہ اکیلی تھی‘ کوئی دوسرا میرے ساتھ نہیں تھا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں نے اپنی ذات پر چڑھے وہ سارے نقاب ایک ایک کرکے اتار پھینکے ہیں جو ماضی میں میری شخصیت پر جمع ہوتے رہے تھے اور پھر اس کا حصہ بن گئے تھے۔آج میرے سامنے میری حقیقی ذات کھڑی تھی اور میں نے اس کی تفاصیل میں جو کچھ دیکھا ان کا تجزیہ کرنے لگی۔

میں نے نہ تو ہاتھ میں نشتر پکڑا‘ نہ ہی کانوں پر سٹیتھوسکوپ لگایا لیکن میں نے اپنی ذات کو اس سائنس اور طبعی علم سے پاک کرلیا جو میں نے ماضی میں حاصل کیا تھا اور ان لوگوں سے جن سے میں ملی تھی یا جنہیں جانتی تھی اور ان جنگوں سے جو میں اپنے ماضی میں لڑتی آئی تھی‘ جنہوں نے اس سفر کے انجام پر مجھے سوچ کی اندھی گلی میں لا کھڑا

کیا تھا۔ میں نے اپنی سوچ کا بوجھ بھی اتار پھینکا اور اپنی ذات کو محسوس کرنا شروع کیا۔

میں زندگی میں پہلی بار بغیر سوچے محسوس کر رہی تھی' سورج کی شعاعوں کی حدت کو اپنے بدن پر پڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی اور اس خوبصورت پر سکون سبزے کو جس نے زمین کو ڈھکا ہوا ہے اور آسمان پر پھیلے مسحور کن نیلے رنگ کو۔ میں اور فطرت کا حسن آمنے سامنے تھے' میرے سامنے فطرت کا مسحور کن جادو تھا جو شہر کے شور و غوغے' عورت کے حقیر محبوس عورت پن' مرد کی تابع کرنے والی متکبر مردانگی اور سائنس کی محدود سی بے اثر بکواس سے پاک تھا۔

مجھ پر منکشف ہوا کہ فطرت ایک حسین طاقتور دیوتا ہے جسے کمزور لیکن مغرور انسان نے اپنے مختصر عرصہ حیات میں صرف اور صرف اپنے جذبہ تفاخر اور جذبہ تسخیر کی تسکین کے لئے گھٹیا' بدصورت ملبوس میں چھپانے کی کوشش کی۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ہے اور میری روح نئے نویلے جذبوں اور احساسات سے بھر گئی۔ مدتوں کے بعد آج پہلی دفعہ میں اپنے دل کی دھڑکن کو صرف محسوس کر رہی تھی ورنہ ماضی میں تو دل کی دھڑکن کے احساس کے ساتھ ہی ذہن میں دل کی شریانوں اور پٹھوں کی تصویریں ابھرنے لگتی تھیں اور دماغ دل سے نکلنے والے خون کی مقدار کا تعین کرنے لگتا تھا۔ میرے دل کی دھڑکن کو آج ایک نئی زبان ملی تھی ایسی زبان جس کی وضاحت نہ تو سائنس کر سکتی تھی اور نہ طب' یہ زبان مجھے میرے نوبیدار احساس نے سمجھائی تھی ورنہ یہ میرے تجربہ کار پختہ ذہن کے لئے تو ایک ناقابل فہم شے تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ جذبہ عقل سے زیادہ زور اثر ہے۔ جذبہ انسانی دل کے زیادہ قریب ہے' انسان کی قدیم تاریخ کے ساتھ اس کا ربط بہت گہرا ہے' زیادہ سچا اور زیادہ اثر پذیر ہے اور اسی تجربے کی شہادت بھی حاصل ہے۔

میں چارپائی پر مزید پھیل کر لیٹ گئی' اپنے پاؤں پسار لئے اور اپنے آپ کو جسم میں جاگنے والے اس نئے جذبے کے سپرد کر دیا' مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ وہی جسم ہے جس کی خواہشات اور جبلتوں کو میں نے ایک دن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قتل کر دیا تھا۔ زنانہ جسم' جسے میں نے سائنس اور منطق کے دیوتا کے قدموں میں بڑی بے رحمی سے

قربان کر دیا تھا' اور آج وہ جسم ایک بار پھر زندہ ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا بچپن' لڑکپن اور اوائل جوانی ایک خوفناک جنگ لڑنے میں ضائع کر دیئے تھے لیکن کس کے خلاف جنگ؟ اپنی ذات' اپنے وجود کے خلاف جنگ' اپنی انسانیت اور فطری جبلتوں کے خلاف جنگ' اور جن کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ آج میں یہ سب بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی اور زندگی کو نئے سرے سے ایک نئے ڈھنگ سے شروع کرنے جا رہی تھی' زندگی کے گہوارے سے اس کا آغاز کر رہی تھی۔ اس فصلیں اگانے والی فیض رساں پرانی مٹی کے ساتھ' صدیوں سے زمین پر چھائی ہوئی پاکیزہ فطرت کی ہمراہی میں اور ان سادہ دیہاتی لوگوں کی سنگت میں جو زمین کے پھل کھاتے تھے اور اپنی فطری جبلتوں کے مطابق درختوں کے سائبان تلے زندگی گزارتے تھے' یہ لوگ جو کھاتے ہیں' پیتے ہیں' بچے پیدا کرتے ہیں' بیمار ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں بغیر کسی سے پوچھے کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوتا ہے۔

میں مسکرائی' اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی تاکہ میں اپنی ہنسی کی آواز سن سکوں۔ میری ماں نے مجھے ہمیشہ یہی سمجھایا تھا کہ ایک لڑکی کو اتنی اونچی آواز میں نہیں ہنسنا چاہیے کہ دوسرے لوگ اس کی آواز سنیں۔ یہی وجہ تھی کہ میری ہنسی آواز کا روپ دھارنے سے پہلے ہی میرے لبوں پر دم توڑ جایا کرتی تھی۔ میں نے اپنا منہ کھولا' جس حد تک کہ میں کھول سکتی تھی اور ہنسنے لگی' ہوا میرے سینے میں بھر گئی۔۔۔۔۔۔۔ کاربن ڈائی آکسائڈ اور دھوئیں سے پاک خالص و تازہ ہوا .... جو میڈیکل سائنس اور معاشرے کے تصنع بناوٹ سے آزاد تھی۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ اس کے اجزاء کون کون سے ہیں' میں تو صرف یہ جانتی تھی کہ یہ فرحت بخش ہے اور اس نے میرے اندر کی حدتوں پر رم جھم کا کام کیا ہے۔ میں نے اپنے وجود کو سورج کی شعاعوں کے سپرد کر دیا۔ سورج کی روشن کرنیں میرے جسم پر پڑنے لگیں۔ سائنس تجزیوں کی دستبرد سے آزاد اور بے نیاز کہ آیا اس کے اجزاء نقصان دہ ہیں یا فائدہ مند۔

ایک خوش طبع سادہ دیہاتی میرے لئے کھانے کی ٹرے لے کر آیا جس میں روٹی' بالائی' مکھن اور انڈے تھے۔ میں نے خوب مزے لے لے کر کھانا کھایا۔ جب میں نو سال سے بھی چھوٹی بچی تھی تب سے لے کر آج تک کھانے کے لئے ایسا ذوق و

MashalBooks.com

شوق میں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ میں اپنی ماں کی ہدایات بھول چکی تھی کہ ایک لڑکی کو کیسے کھانا چاہیے اور ڈاکٹروں کی مکھن اور بالائی کے متعلق تنبیہ کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی۔ میں نے اپنا منہ کھانے کی چیزوں سے بھرلیا۔ میں نے مٹی کے جگ سے ٹھنڈا پانی با آواز بلند پیا بھی اور اپنے کپڑوں پر گرایا بھی۔ میں کھاتی رہی یہاں تک کہ بھوک مرگئی اور پانی پیتی چلی گئی حتیٰ کہ میری پیاس بجھ گئی۔ چارپائی اب شدید گرم ہوگئی تھی لہٰذا میں جا کر ٹھنڈی گیلی زمین پر لیٹ گئی۔ اپنا چہرہ اس پر رکھ دیا اور زمین کی گہرائیوں سے آنے والی سوندھی خوشبو کو اپنے اندر اتارنے لگی' اس زمین کے ساتھ منسوب ہونے اور اس کا حصہ ہونے کا احساس دھیرے دھیرے میرے دل میں بیٹھنے لگا۔

سبک ہوا نے میری سکرٹ رانوں سے اوپر اٹھا دی لیکن مجھے کسی قسم کا کوئی خطر محسوس نہیں ہوا جیسا احساس مجھے ماضی میں ہوا کرتا تھا جب بھی کبھی میری رانیں ننگی ہوتی تھی۔ میری ماں نے میرے ذہن میں یہ بات کیسے سرایت کر دی تھی کہ میرا جسم کسی نہ کسی طور پر شرمناک ہے؟ انسان ننگا پیدا ہوتا ہے اور مرتا بھی ننگا ہے۔ اس کا سارا لباس محض ایک دکھاوا ہے اس کی اصل فطرت کو چھپانے کی ایک کوشش۔

جب ہوا نے کپڑے میرے جسم سے پرے ہٹائے تو اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں دوبارہ پیدا ہوئی ہوں' اور میری یہ غیر متوقع دوبارہ پیدائش در حقیقت میری جذباتی زندگی کا باقاعدہ وجود میں آنا تھا۔ لیکن میری یہ جذباتی زندگی اگرچہ نوزائیدہ تھی لیکن ایک طاقتور دیو کی طرح زندہ رہنا چاہتی تھی .... صحیح معنوں میں جینا چاہتی تھی اور اپنا جینے کا حق مانگ رہی تھی۔

☆☆☆☆

دروازے پر زور زور سے دستک کی آواز سن کر میں آدھی رات کو اٹھ بیٹھی۔ باہر نکل کر دیکھا' کسانوں کا ایک گروپ ایک بوڑھے بیمار شخص کو لے کر باہر کھڑا تھا۔ میں نے انہیں گھر کے اندر بلا لیا' اپنا سفید کوٹ پہنا اور اس کے دل کی دھڑکن سننے لگی۔ اس کے کراہنے کی آواز اور اس کے دل کی دھڑکن آپس میں ملی ہوئی تھیں' میں نے

اس کی طرف دیکھنے کے لئے آنکھیں اٹھائیں۔ اس کی بے بس نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص اپنی دسترس سے باہر پڑے کسی سہارے کو گھورتا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اچانک میں سارا کچھ بھول گئی ہوں اور جیسے میں نے کبھی کسی مریض کا معائنہ ہی نہیں کیا۔ میں آج پہلی بار تکلیف میں مبتلا شخص کی آنکھوں کو واقعی دیکھ رہی تھی اور اس کے کراہنے کی آواز سن رہی تھی۔

ماضی میں' میں مریضوں کا معائنہ کیونکہ کر لیا کرتی تھی؟ میرے استاوں نے مجھے اس بات کا کیسے یقین دلایا تھا کہ بیمار شخص کلیجی' تلی اوجڑی اور آنتوں کے مجموعے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتا؟ انہوں نے مجھے لوگوں کی معصومیت کی پرواہ کیئے بغیر ان کی آنکھوں میں دیکھنا' ان میں روشنی ڈالنا اور اپنی انگلیوں سے ان کی پتلیاں پلٹنا کیسے سکھایا تھا؟ لوگوں کی چیخوں کی پرواہ کیئے بغیر ان کے حلق میں جھانکنا میرے استادوں نے مجھے کیونکر سمجھایا تھا؟

مجھے کپکپی آ گئی۔ میں زندگی میں پہلی بار مریض کو مختلف اجزاء کے مجموعے کی بجائے بحیثیت مجموعی ایک انسان کی حیثیت سے دیکھ رہی تھی۔ اس بوڑھے شخص کی آنکھوں کی تھکاوٹ اور بیماری میرے اندر اتر رہی تھی اور اس کی آہ و بکا میرے دل میں پہنچ رہی تھی۔

میں اپنے مریض کے سامنے گم صم کھڑی تھی' میری آنکھیں اس کی آنکھوں پر جمی تھیں' میرے کان اس کی آہ و بکا کی ڈوبتی آواز سننے کے لئے پوری طرح متوجہ تھے' میری روح بڑی خاموشی سے انسانی ابتلا کے اس انوکھے منظر کا مشاہدہ کر رہی تھی اور میرا ذہن زندگی کے ایک نئے مفہوم سے آشنا ہو رہا تھا۔

میں نے ہاتھ دل پر رکھا اور سر دیوار پر ٹکا دیا۔ ان تاریک' پیاس انگیز آنکھوں میں کوئی چیز ایسی تھی جو مجھے بری طرح پریشان کر رہی تھی۔ اس آہ و بکا کی ڈوبتی مدہم آواز میں کچھ ایسا تھا جس نے میری روح کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ یہ کوئی ایسی انجانی شے تھی جسے نہ تو میں آج سے پہلے جانتی تھی اور نہ میرا اس سے کبھی پہلے سامنا ہوا تھا...... ' درد' ہاں' درد۔ یہ خوشی حاصل ہونے لگی میں درد میں مبتلا تھی لیکن میں درد کی

MashalBooks.com

لذت محسوس کر رہی تھی' انسانیت کا مظاہرہ کرنے سے حاصل ہونے والی طمانیت سے ملنے والی خوشی اور اس کے انجانے افق ڈھونڈ نکالنے کی خوشی۔

میرا سارا وجود طمانیت اور خوشی کے اس جذبے سے سرشار تھا اور میری روح نے درد کے اس احساس کو بھرپور انداز سے اپنے اندر سمو لیا۔ میرا سر چکرانے لگا اور میں قریب پڑی کرسی پر گر پڑی' آنکھیں بند کر لیں اور رونے لگی میں یوں روئی جیسے اس سے پہلے کبھی روئی ہی نہ تھی اور میری آنکھیں رونے کے تجربے سے آشنا ہی نہ تھیں۔ یہ دکھ بھرے آنسو' جنہیں میں پلکوں پر آنے سے پہلے ہی روک لیا کرتی تھی' آج موسلا دھار بارش کی طرح میرے گالوں پر گر رہے تھے اور میں نے انہیں چھپانے یا روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ انہیں بہنے دیا کیونکہ یہ میرے ذہن پر جمی گرد کو دھونے' دل پر پڑے تاریک پردے کو اتارنے اور اپنی پژمردہ روح کو شدید قسم کی ضد کے قید خانے سے نکالنے کے لئے ضروری تھے! میں نے درد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

میں ایک کمزور لیکن گرم جوش آواز سن کر واپس ہوش کی دنیا میں آ گئی۔ وہ مجھے کہہ رہا تھا'' ڈاکٹر! روؤ نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں''۔

میں نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ کمزور سی تھی لیکن اس سے شفقت اور ملائمت کا احساس ہوتا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے مجھ پر ترس آ رہا ہے اور وہ مجھے وہ سب کچھ عنایت کر دینا چاہتا ہے جو اس کے پاس ہے جیسے ہم دونوں میں سے علم اور طاقت رکھنے والا شخص وہ بوڑھا اور میں بالکل تہی دست۔ جسمانی بیماری کو جب روحانی بیماری کے مقابلے میں دیکھا جائے تو جسمانی بیماری کوئی بڑی چیز نہیں آتی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ڈاکٹر تھا اور میں مریض

میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انسانیت پر میرا کھویا ہوا اعتماد اس وقت بحال ہو جائے گا جب مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ انسانی زندگی کی حقیقت ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے ایک بلبلے سے بھی کم ہے' اور نہ ہی کبھی یہ سوچا تھا کہ جو شے میں نے شہر کی جگمگاتی روشنیوں' چمکدار عمارتوں' جہازوں' اور جدید ہتھیاروں کے ہجوم میں کھوئی ہے وہ ایک دن مجھے ایک تاریخ غار میں ملے گی۔۔ اور طب کی پروفیسر اور دانشوروں کی بجائے

MashalBooks.com

ایک بوڑھے بیمار دیہاتی سے ملے گی جس کے پاس اپنے تن کے کپڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

یہ خشک پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ابھرنے والی ایک مختصر سی مسکراہٹ تھی لیکن اس میں زندگی کے معنی بے پناہ تھے، وہ معنی جو لوگوں نے ہجوم زندگی میں کھو دیئے تھے، وہ معنی جو سائنسی اوزاروں اور آلہ جات کے شور وغوغا میں فراموش کر بیٹھی تھی اور عقل جس کی وضاحت سے قاصر ہے وہ مفہوم ہے محبت ۔۔ زندگی کی محبت اور اس کی تمام خوشیاں اور دکھ، بیماری اور صحت میں، اس کے جانے اور انجانے حصے، اس کے آغاز اور انجام، ''محبت''، میرا دل اس نئے لفظ پر مچل اٹھا، خواہش کی ایک لہر کی صورت میرے پورے وجود میں دوڑ گئی اور میرے اندر ایک شعلہ روشن ہو گیا۔

☆☆☆☆

میں کیسے یونہی جیئے جاؤں؟ میں بیک وقت معصوم اور احساسات رکھنے والا ایک متجسس بچہ بھی تھی اور پختہ ذہن والی ایک سند یافتہ ڈاکٹر بھی۔ میری زندگی کے پچیس سال اس احساس سے آشنا ہوئے بغیر ہی گذر گئے تھے کہ عورت ہونا کیا ہوتا ہے ۔ میرا دل کبھی ایک بار بھی کسی مرد کی وجہ سے تیز نہیں دھڑکا، اور نہ ہی آج تک میرے ہونٹوں نے اس حیران کن چیز کا ذائقہ چکھا تھا جسے بوسہ کہتے ہیں۔ میں نوجوانی کی تپتی حدت سے نہیں گزری تھی۔ میرا بچپن ماں، بھائی اور خود اپنی ذات کے خلاف لڑنے میں ضائع ہو گیا تھا لڑکپن اور اوائل جوانی دور درسی کتابوں کی نذر ہو گیا اور آج میں پچیس سالہ بچہ تھی جو کھیلنا چاہتا ہے، دوڑنا چاہتا ہے اور محبت کرنا چاہتا ہے۔

☆☆☆☆

میں نے اپنی چند ایک چیزوں کو سمیٹا اور اس ٹرین میں سوار ہو گئی جو مجھے واپس اسی دنیا میں لے جا رہی تھی، مجھے میری ذات سے دور۔ میں نے اپنی ذات سے ہم آہنگی پیدا کر لی تھی، لہٰذا اب مجھے زندگی سے کٹ کر صرف اس کا ہو کر رہنے کی ضرورت

MashalBooks.com

نہیں تھی۔

زندگی، جس کی اصل، جس کی حقیقت میں نے مٹی سے پائی تھی جس طرح کبوتر اپنی چونچ سے دانہ دنکا چگتا ہے، زندگی جسے میں اپنے ہر موئے تن کے ساتھ چاہنے لگی تھی، اپنے جسم اور روح کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ اور مجھے اس سے محبت کرتے رہنے کی شدید خواہش تھی۔

اتنا سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی میں اپنی ذات کو اس تاریک تنہائی کے سپرد کیسے کر سکتی تھی۔ مجھے واپس لوٹنا تھا، لہٰذا میں اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے کام، اپنے مریضوں کے پاس واپس آ گئی، میں نے زندگی کی طرف اپنی بانہیں کھول دیں اور اپنی ماں کو گلے لگایا، زندگی میں پہلی بار مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ میری ماں ہے۔ میں اپنے باپ کے گلے ملی تو یہ جانا کہ بیٹی ہونا کیا معنی رکھتا ہے، بھائی کو گلے لگایا اور مجھے برادرانہ شفقت کا احساس ہوا پھر میں نے اپنے اردگرد دیکھا، اس چیز کو تلاش کیا جس کی ابھی بھی کمی تھی، اس شخص کی تلاش جو میرے پاس نہیں تھا۔ یہ کون تھا؟ میرے روح اسے پکار رہی تھی، میری ذات کے نہاں خانے اس کو بلا رہے تھے۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟

ایک پرزور خواہش کی لہر میرے تن بدن اور روح میں دوڑ گئی۔۔

میری روح جو عقل کی دستبرد سے آزاد تھی، اور اس کنوارے بدن کی خواہش جو ابھی ابھی اپنے آہنی خول سے نکلا تھا۔ میں حیران ہوا کرتی کہ ایک مرد اور عورت کی مڈبھیڑ کیسی ہوتی ہوگی۔

راتیں لمبی ہو گئی تھیں، خیالی پیکر اور واہمے میرے بستر کے گرد جمع ہونے لگے تھے لمبے مضبوط بازو میری کمر کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ ایک مرد کا چہرہ میرے چہرے کے قریب آ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں میرے باپ جیسی تھیں اور ہونٹ میرے کزن جیسے، لیکن وہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کون تھا؟ سکول کی لڑکیوں کی گپ شپ مجھے یاد آ رہی تھی۔ میں ایک نوجوان دوشیزہ کے خیالات میں ڈوبی رہتی، آہیں بھرتی، مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں نے کبھی کسی مرد کے جسم کی چیڑ پھاڑ نہیں کی، اسے بے لباس نہیں کیا اور کبھی اس کے جسم کی بدصورتی سے متنفر نہیں ہوئی تھی۔

MashalBooks.com

کیا میں بھول چکی تھی ----- ؟ میں نہیں جانتی تھی ------ لیکن میں بھول چکی تھی۔ اور اب زندہ انسانی جسم دوبارہ میرے لئے ایک راز اور مقام حیرت بن گیا تھا ------ شاید میرا عورت پن اپنے قید خانے سے بڑا سرکش ہو کر آزاد ہوا تھا' اور میرے ذہن میں محفوظ یادیں پرزہ پرزہ ہو کر بکھر گئی تھیں۔ شاید میری روح کی طوفانی خواہشات نے میری تصوراتی دنیا میں بسنے والے انسانی جسم کے غلیظ تصورات دھو کر رکھ دیئے تھے' یا پھر میرے دل کی بے قابو دھڑکنوں نے میرے دماغ سے میڈیکل سائنس اور سارا علم جھاڑ دیا تھا۔

راتیں اتنی طویل ہو گئی تھیں کہ صبح ہونے میں نہیں آتی تھی۔ میرے بستر کی حدت اب بھڑکتی ہوئی آگ میں بدل گئی تھی اور اب تو صبح کی روشنی بھی رات کے خوابوں کو بکھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

MashalBooks.com

میرے بستر کے قریب پڑے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بڑے زور سے بجی میں نے اَدھ کھلی آنکھ سے وقت دیکھا۔ صبح کے دو بجے تھے۔ میں نے بڑی سستی سے ریسور اٹھایا ایک بے چین' مضطرب آواز آئی' ڈاکٹر ! میری ماں بہت بیمار ہے۔ براہِ مہربانی آ ؤاور اسے بچالو۔

میں چھلانگ لگا کر اپنے گرم بستر سے باہر نکلی' جلدی سے کوٹ پہنچا ایمرجنسی کیس سنبھالا جو ایسی صورت حال کے لئے تیار پڑا رہتا تھا اور بڑی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے مریض کے گھر پہنچی۔

میں نے اس کی ڈوبتی ہوئی دھڑکن سنی' اس دل کی دھڑکن جو عمر کے ساتھ ساتھ کمزور پڑ چکا تھا اور جس سے زندگی رخصت ہونے والی تھی میں نے سٹیتھوسکوپ کانوں سے اتار لیا۔

ایک لمبا اونچا مرد شدید تجسس اور بے چینی کے عالم میں میرے قریب کھڑا تھا' ''کیا ان کی حالت بہت بری ہے''۔

میں کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ میرے پیچھے پیچھے بیٹھک میں آ گیا اور دوبارہ بڑی بے صبری سے پوچھنے لگا کیا ان کی حالت بہت تشویشناک ہے؟

''نہیں''، میں نے آہستہ سے کہا' ''تشویش کی کوئی بات نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ مر رہی ہیں''

وہ خوف اور حیرت کے عالم میں مجھے گھورنے لگا اور بولا ''مر رہی ہیں؟ نہیں! یہ ناممکن ہے!''

اس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا اور قریب پڑی ہوئی کرسی پر گر گیا اور شدید دکھ اور اذیت سے کانپتی آواز میں رونے لگا۔ میں نے اس کی سسکیوں کا سلسلہ ختم ہونے کا انتظار کیا۔ جب وہ خاموش ہوا اور اپنی آنکھیں اوپر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو میں نے اسے کہا'' ہر شخص کو ایک دن مرنا ہے''۔

''لیکن ڈاکٹر یہ تو میری ماں ہے''۔

''بڑھاپا اس پر طاری ہو چکا ہے اور اب اس کا مر جانا ایک طبعی عمل ہے'' اس نے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا' ''انہیں ان کے اپنے کمرے میں رہنے دو تا کہ وہ پر سکون موت مر سکیں''' اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو بھر آئے۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

☆☆☆☆

میں اپنے آفس میں بیٹھی تھی اور سونف کے گرم مشروب کا گلاس میرے ہاتھ میں تھا .... یہ مشروب ڈیوٹی نرس نے میرے لئے بنایا تھا کیونکہ سرجری سے آخری مریض بھی فارغ ہو کر جا چکا تھا۔ میں نے اپنی تھکی ہوئی انگلیاں گلاس کے گرد لپیٹی ہوئی تھیں جس کی حدت سے انہیں آرام اور سکون مل رہا تھا۔ میں اپنا جھکا ہوا چہرہ اس سے نکلنے والی بھاپ کے قریب لے آئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی کیونکہ مجھے سونف کی خوشبو اس کے ذائقے سے زیادہ پسند تھی نرس اندر آئی اور بتایا کہ باہر کوئی شخص مجھ سے ملنے آیا ہے۔

وہ شخص اندر آیا میں نے اسے پہچان لیا اور اس سے ہاتھ ملانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوگئی۔ جب وہ میرے مقابل بیٹھ گیا تو میں نے نوٹ کیا کہ اس نے کالے رنگ کی نکٹائی پہنی ہوئی تھی میں نے اس سے اظہار تعزیت کیا۔ ''شکریہ ڈاکٹر'' اس نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

MashalBooks.com

وہ اس طرح سر جھکائے بیٹھا رہا میں نے سونف کے مشروب کا گلاس اٹھایا اور ایک لمبا گھونٹ پیا۔ اس نے اپنی نگاہیں اور بڑے متجسانہ انداز سے گلاس کو دیکھنے لگا۔

''کیا آپ سونف کا مشروب پینا پسند کریں گے''؟ میں نے اس سے پوچھا۔ اس نے بڑی حیرت سے میری طرف دیکھا سونف کا مشروب؟ مجھے اس کی حیرت پر ہنسی آ گئی' وہ مسکرایا اور کہنے لگا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا''۔

''آپ آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر آئیں''۔

''یہ تو ایک ڈاکٹر کا فرض ہے''۔

''آپ نے مجھے حقیقت حال بتائی''

''میں اس صورت حال میں آپ سے یہ بات چھپا نہیں سکتی تھی''۔

''یہ ایک بہت ہی تکلیف دہ بات ہے''۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا'' کیا ایک شخص کو مرتے ہوئے دیکھنا آپ کو تکلیف دہ نہیں لگتا؟''

''میں نے آج تک جتنی تکلیفیں دیکھی ہیں یہ ان میں سے سب سے زیادہ قابل برداشت دکھ ہے!''

''وہ کون سی چیز ہے جسے قبول کرنا موت کو قبول کرنے سے زیادہ مشکل ہے؟

نا قابل علاج بیماری' شدید جسمانی یا ذہنی معذوری!

''کیا آپ کا ان تمام چیزوں سے واسطہ پڑ چکا ہے؟''

''یہ تو ہر ڈاکٹر کی زندگی کا حصہ ہے''۔

''مجھے معاف کرنا ڈاکٹر --------اپنے کام میں میرا واسطہ تو کمزور انسانوں سے نہیں بلکہ ٹھوس چٹانوں سے ہے''۔

''آپ انجینئر ہیں؟''

''ہاں''

ایک لمحے کے لئے ہم دونوں خاموش رہے پھر میں نے اس سے

پوچھا کیا تمہارا اپنی زندگی میں درد اور تکلیف سے کبھی سامنا نہیں ہوا؟''

''میں نے پہلی مرتبہ کسی کو مرتے دیکھا ہے اور اپنے بچپن کے بعد پہلی دفعہ رویا ہوں''۔

''مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی' زندگی تو بڑی سخت چیز ہے چٹان سے بھی زیادہ سخت! تو گویا تمہیں ابھی زندگی کا کوئی تجربہ ہی نہیں''' میں نے کہا

اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر اس نے نہ کہنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ مجھے لگا جیسے میں نے اس کی آنکھوں میں ایک انوکھا سا تاثر دیکھا ہے ایک کمزوری' ضرورت' بچپن' معصومیت اور سادہ لوحی کے امتزاج سے بنا ہوا تاثر جس نے میرے اندر اس کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا' اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگا''ایک بار پھر شکریہ ------ ڈاکٹر''۔

وہ دروازے کی طرف جانے کے لئے مڑا لیکن ایک دم باہر نہیں نکلا ۔اس نے پیچھے مڑ کر میری طرف دیکھا' یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے کی کوشش میں ہو۔ پھر میں نے اسے کہتے سنا ''میں دوبارہ کسی وقت آپ سے ملنا چاہتا ہوں' لیکن ....''

وہ بات کرتے کرتے رک گیا پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد بغیر میری طرف دیکھے کہنے لگا''میں جانتا ہوں آپ کے پاس وہ فارغ وقت نہیں ہوتا''۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اس نے بغیر میری طرف دیکھے ہکلاتے ہوئے بمشکل کہا'' کیا میں آپ سے دوبارہ مل سکتا ہوں؟''

میں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا جس نے مجھے اس کی طرف متوجہ تو کر دیا تھا لیکن قائل نہیں کر سکا تھا۔اس نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک موت دیکھی تھی' اپنی ماں کی موت' وہ بیماری اور درد سے ناواقف تھا۔کیا یہ شخص میرے بوڑھے تجربہ کار ذہن کی تسکین کر سکے گا یا میرے اندر کے لالچی اور بالکل ان موڑ بچے کی دلچسپی کو انگیخت کر سکے گا؟

لیکن بہر حال یہ وہ پہلا مرد تھا جس پر میری نگاہیں کچھ دیر کے لئے

ٹھہری تھیں ۔ میں نے کہا ’’ہاں تم مجھے پھر مل سکتے ہو‘‘ ۔

☆☆☆☆

میں ہرم کی بنیادوں میں پڑے ایک بڑے سے پتھر پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی اور میری نگاہیں دور پھیلے افق پر چمکتے سورج کا جائزہ لے رہی تھیں جو ابھی ابھی گھنے سیاہ بادلوں کی اوٹ سے نکلا تھا۔

’’ڈاکٹر‘ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’تم مجھے ہمیشہ ڈاکٹر کہہ کر کیوں مخاطب کرتے ہو؟‘‘

’’کیا یہ آپ کو اچھا نہیں لگتا؟‘‘

’’یہ مجھے اپنے ان مریضوں کی یاد دلاتا ہے جو مجھے دکھ اور تکلیف کی شدت میں ڈاکٹر کہہ کر پکارتے ہیں‘‘ ۔

’’یہ تو بڑا جادوئی خطاب ہے ۔ جب میں آپ کو اس نام سے پکارتا ہوں تو بڑا فخر محسوس کرتا ہوں ۔ آپ وہ پہلی خاتون ڈاکٹر ہیں جنہیں میں جانتا ہوں‘‘ ۔

’’واقعی‘‘

’’جب میں نے آپ کو اپنی ماں کو دیکھنے کے لئے بلایا تھا میں نے آپ کی آواز سنی تو مجھے یوں نہیں لگا کہ میں کسی ڈاکٹر سے بات کر رہا ہوں اور جب میں نے آپ کو اپنی ماں کے کمرے میں آتے دیکھا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ ڈاکٹر ہیں‘‘ ۔

’’خاتون ڈاکٹر کے متعلق میرا تصور یہ تھا کہ وہ بدصورت یا بوڑھی عورت ہو گی یا پھر پڑھائی یا کام کی زیادتی کی وجہ سے جھکی ہوئی کمر اور موٹے شیشوں کی عینک لگائے کوئی بوڑھی بدصورت عورت ہو گی ۔ یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی خوبصورت عورت بھی ہو سکتی ہے‘‘ ۔

’’کیوں نہیں؟‘‘

’’یہ بڑا مشکل ہے کہ کوئی عورت خوبصورت بھی ہو اور تیز طرار بھی‘‘ ۔

MashalBooks.com

''کیوں؟''

''یہ تو مجھے پتہ نہیں''

''اچھا تو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ ایسا کیوں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکی کو بچپن ہی سے یقین دلا دیا جاتا ہے کہ وہ ایک جسم سے زیادہ اور کچھ نہیں' لٰہذا پوری زندگی اس کا جسم ہی اس کی توجہ کا مرکز رہتا ہے' اور اسے اس چیز کا احساس نہیں ہوتا کہ اس کا ایک دماغ بھی ہے جس کی اسے ایک جسم کی طرح نگہداشت کرنا ہے اور پروان چڑھانا ہے''۔

''وہ ایسا کیوں کرتی ہیں''؟

''کیونکہ مرد جو زندگی کی ساری اہم پوزیشنوں پر فائز ہیں وہ عورتوں کو ایک خوبصورت بیوقوف جانور سے زیادہ کچھ نہیں بننے دینا چاہتے جن کو وہ بوقت ضرورت اپنے جنسی تعیش کے لئے استعمال کرسکیں۔مرد عورتوں کو اپنے ہم پلہ یا ساتھی کی شکل میں دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ ماتحت کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں جو ان کی خدمت کریں''؟

وہ ہنسا' میں بھی ہنسنے لگی۔وہ میرے قریب آ گیا اور کہنے لگا''میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔مجھے تو ایک ایسی عورت چاہئے جو میری ملازم نہیں بلکہ میری شریک زندگی ہو۔

مجھے تمہارے ذہن پر فخر ہے۔تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ مجھے اس وقت کتنی خوشی ہوتی ہے جب میں تمہارے اسپتال کے سرجری وارڈ میں جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ سب لوگ مرد عورتیں اپنے علاج کے لئے بڑی شدت سے تمہاری رائے کے منتظر ہوتے ہیں۔تمہارے جیسے ذہن کی عورت کو بھلا کیسے ایک گھر میں کھانا پکانے کے لئے مقید کیا جا سکتا ہے؟ یا تمہاری جیسی ذہانت اور تعلیم رکھنے والی عورت بھلا اپنی زندگی جاہل کسان عورتوں کی طرح کتوں بلوں کی طرح بچوں کو دودھ پلانے میں کیسے ضائع کرسکتی ہے۔یہ نہایت مضحکہ خیز بات ہوگی' تمہاری بے عزتی بلکہ ساری انسانیت کی بے عزتی''۔

اس کے ان لفظوں نے میرے باغیانہ روح کو بہت تسکین پہنچائی اور

میرے گھبرائے ہوئے دل کو تسلی دی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اور مردوں کے درمیان پائی جانے والی کشمکش کہیں غائب ہونے لگی ہے اور اپنے تھکے ہوئے سر کو مطمئن ہو کر ہرم کے پتھر کے ساتھ ٹکا دیا۔ میری ماں مجھ سے ایسی باتیں کیوں نہیں کرتی تھی؟ یا معاشرے میں اس قسم کے خیالات کی سچائی کو کیوں نہیں تسلیم کیا اور یہاں ایک مرد ایسا کہہ رہا تھا' وہ تسلیم کر رہا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی مردوں کی طرح دماغ ہوتا ہے اور عورتیں بھی مردوں کی طرح جسم اور دماغ رکھتی ہیں۔ یہ مرد من وعن وہی الفاظ کہہ رہا تھا جو میں نے پہلی بار اپنے اردگرد کے حالات کا جائزہ لے کر خود اپنے آپ سے کہے تھے۔

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اس کوشش میں کہ کھوج لگا سکوں کہ یہ عقلمندی کی باتیں کہاں سے آ رہی ہیں وہ یہ باتیں اپنے ذہن سے کہہ رہا ہے یا محض حلق کے اوپر اوپر کی باتیں تھیں۔ میں کچھ بھی نہ دیکھ سکی۔ اس کے حلق اور دماغ کے درمیان کوئی خلا تھا ہی نہیں۔ شاید مجھے اس کے دل و دماغ میں کوئی گہرائی نظر ہی نہیں آئی یا شاید سورج افق کے اس پار گھاٹیوں میں ڈوب گیا تھا۔ جہاں وہ ہر رات جاتا تھا اور شام کے سائے میں چیزیں اپنا واضح تشخص کھو چکی تھیں۔

میں نے اس کے ٹھنڈے ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر اس کے چہرے کے اندر جھانکا۔ اس کی فرمانبردار قسم کی شریفانہ مسکراہٹ نے میرے اندر مادرانہ جذبہ پیدا کر دیا' لیکن اس کی کمزور ملتجیانہ نگاہیں میری نسوانیت کو بیدار کرنے میں ناکام رہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کمزور تھا' مجھ سے کمزور؟ یا شاید اس لئے کہ اسے میری طرح تکلیفوں سے گزرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا؟ یا شاید اس کی آنکھوں میں اس کے اندر کی قوت کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی تھی جو میرے خیال میں مرد کی آنکھوں میں ہونی ضروری ہے؟ کیا یہ بھی ہوسکتا تھا کہ میرے خون میں ابھی تک اس جنگلی عورت کی خواہشات موجود تھیں جو اس مرد سے محبت کرتی ہے جو اسے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرتا ہے؟ لیکن اس نے میرے کسی نہ کسی احساس کو متاثر ضرور کیا تھا۔ شاید اس کی کمزوری نے میری اپنی ذات کی قوت کی تصدیق کی تھی۔ شاید اس کی آنکھوں میں ضرورت مندی کے تاثر نے میرے ذہن کو تسکین پہنچائی تھی جو آج بھی دوسروں پر غالب آنا چاہتا تھا۔

MashalBooks.com

☆☆☆☆

اس نے مسکراتے ہوئے مجھے کہا ''میری ماں کی شخصیت کا تاثر بھی اتنا ہی بھرپور اور مضبوط تھا---- لیکن اس کی آنکھیں سبز تھیں۔''

گھنی مونچھوں والے مرد کے منہ سے اس وقت یہ لفظ بڑا بے محل اور غیر متعلق لگا اور اس کے نقوش ایک ننھے منے بچے کے سے لگنے لگے جس کے بالائی ہونٹ کے اوپر کوئی سیاہ کیڑا چپکا ہوا ہو۔

''تم میری طرف ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' اس کی آواز آئی۔

''کیا تمہیں اپنی ماں سے محبت تھی؟''۔

اس کی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ''بہت زیادہ''، اس نے کہا اس کے آنسوؤں کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا اس نے بات جاری رکھی' ''اس کے مرنے کے بعد مجھے دنیا ویران لگنے لگی .... لیکن تمہارے ملنے کے بعد ایک بار پھر آباد ہوگئی ہے''۔

''یہ بڑی عجیب بات ہے!''

''کیا؟''

''یہی کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد تمہیں دنیا خالی لگنے لگی''؟

''وہ میری ماں تھی اور میں اس سے شدید محبت کرتا تھا جو بھی کرتی تھی میرے لئے کرتی تھی۔ کیا تمہیں اپنی ماں سے محبت نہیں تھی؟''

''مجھے اس سے محبت تھی ....''

''شاید تمہیں اپنے باپ سے زیادہ محبت تھی''؟

''نہ ہی زیادہ' نہ ہی کم''؟

''تو پھر تمہاری زندگی میں سب سے زیادہ اہم کون تھا؟''

''کوئی شخص نہیں تھا''

''تو پھر کیا تھا؟''

''مجھے پتہ نہیں شاید میری زندگی کبھی بھر پور نہیں تھی' یا شاید میں کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش میں تھی''۔

''کس قسم کی چیز؟''

''مجھے اس کا تو علم نہیں شاید کوئی بہت بڑا کام''

☆☆☆☆

''کیا تم ہمیشہ میرے ساتھ رہنا پسند کروگی؟

اس نے ایک بن ماں کے بچے کی طرح میری طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میرے دل میں اس کے لئے بڑی شدید مادرانہ شفقت ہمدردی اور ایثار کے جذبات پیدا ہوگئے اور مجھے لگا کہ اس کو میری ضرورت مجھے اس کی طرف کھینچ رہی ہے اور مجھے اس کے ساتھ باندھ رہی ہے۔

میں نے بڑی ملائمت سے اس کی طرف دیکھا اور اس نے مجھے دوبارہ پوچھا'

''کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟''

لفظ ''شادی'' ایک دھماکے کی صورت میں میرے ذہن پر گرا اور میرے لاشعور میں بسنے والی ساری باتیں مجھے یاد دلا گیا۔ جب میں بچی تھی تو میرے نزدیک اس کا کیا مفہوم تھا ایک بڑے سے پیٹ والا مرد' میرے ذہن کے مطابق باورچی خانے کی بو شادی کی بو تھی مجھے اس لفظ سے نفرت تھی اور کھانے کی مہک سے نفرت تھی۔ بغیر اس چیز کے احساس کے کہ میں کیا کرنے والی ہوں میں نے اس سے پوچھا'

''کیا تمہیں کھانا پسند ہے؟''

اس نے حیرت کے ساتھ میری طرف دیکھا اور پوچھا'' کھانا؟''

''ہاں''۔

''تم اس وقت یہ عجیب وغریب سوال کیوں پوچھ رہی ہو؟''

MashalBooks.com

''مرد تو کھانے کے لئے شادی کرتے ہیں''

''یہ تم سے کس نے کہا''؟

''ہر کوئی یہی کہتا ہے''

''لیکن یہ سچ نہیں ہے''

''جب تمہاری ماں زندہ تھی تب تم نے شادی کرنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟''

''میری ماں میرے لئے صرف کھانا ہی نہیں پکاتی تھی بلکہ میرا ہر کام کرتی تھی جو میں چاہتا تھا''

''تو گویا تم شادی اس لئے کر رہے ہو کہ کوئی دوسرا ایسا ہو جو تمہارا ہر وہ کام کر سکے جو تم چاہو؟''

''نہیں''اس نے کہا اور یوں کہا جیسے کہہ رہا ہو'ہاں''۔

☆☆☆☆

بڑی سی سفید پگڑی والا بوڑھا شخص اس کے ہر ایک لفظ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ سن رہا تھا لیکن نہ ہی میری طرف دیکھ رہا تھا اور نہ ہی میری بات سن رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں اس کی نگاہوں میں کوئی وجود ہی نہیں رکھتی۔ اس کے ہاتھ میں ایک قلم تھا اور اس کے سامنے میز پر بڑی لائنوں والی مشقوں کی کتاب پڑی تھی۔

''جناب! آپ کتنی رقم پیشگی ادا کرنا چاہتے ہیں اور کتنی واجب الادا رہے گی؟''

اس کے خشک ہونٹوں سے یہ کس قسم کی مالیخولیائی اصطلاحیں نکل رہی تھیں؟ پیشگی؟ واجب الادا؟ کیا وہ مرد جس کے پاس مجھے دینے کو کچھ نہیں تھا' ادائیگی اس لئے کر رہا تھا کہ مجھ سے شادی کر لے؟ لیکن پگڑی والے اس شخص کے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ ہم دونوں میں سے کس کے پاس پیسہ ہے۔ اس نے صرف یہ دیکھا کہ ایک مرد ہے اور ایک عورت اور اس کے خیال میں ملکیت صرف مرد ہی کا حق ہے۔

میں نے ایک احساس برتری کے ساتھ شیخ کی طرف دیکھا اور کہا''لکھیئے ! کچھ نہیں''

اس نے بڑی ناپسندیدگی کے ساتھ مڑ کر مجھے دیکھا کہ ایک عورت مردوں کی موجودگی میں کیسے بول سکتی ہے؟

''تب تو یہ معاہدہ غیر قانونی ہوجاتا ہے''اس نے قانونی لہجے میں اعلان کیا۔

''کیوں؟''

''قانون ہمیں یہی بتاتا ہے''۔

''اس کا مطلب ہے تمہیں قانون کا کچھ علم نہیں''۔

وہ اپنی کرسی سے اچھل پڑا اس کی پگڑی ہوا میں لہرا گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی پگڑی سنبھالی اور چیختے ہوئے کہنے لگا''اے خدا ہم پر رحم کر! اے خدا ہم پر رحم کر!''

☆☆☆☆

شیخ نے اپنی زبان کی نوک سے انگلیوں کو گیلا کیا' قلم سیاہی میں ڈبویا اور موقع کی مناسبت سے مذہبی فارمولے بڑبڑاتے ہوئے اپنی لمبی آستینوں کو اوپر چڑھایا۔ دو فارموں کو پر کیا اور ایک فارم مجھے پکڑا کر کہنے لگا''یہاں دستخط کردو''۔

میں نے ڈھٹائی سے کہا''پہلے مجھے اس کو پڑھ لینے دو''۔

اس نے دق ہو کر میری طرف دیکھا لیکن وہ کاغذ پڑھنے کے لئے مجھے دے دیا' میری نگاہوں کے سامنے بڑے غیر متوقع لفظ تھے' وہ لفظ جو میں نے زرعی زمین' پلاٹ' دوکانوں اور فلیٹوں کے کرائے ناموں کے ساتھ وابستہ دیکھے تھے' آج کے دن میری موجودگی میں اور میرے ہاتھ سے میں فلاں فلاں .... سرکاری طور پر فلاں فلاں عدالت سے وابستہ ......اتنی رقم کی ادائیگی پر خاوند کی طرف سے بطور مہر......رقم فوری واجب الادا.....اور اتنی رقم جس کی ادائیگی بعد میں ہوگی قرآن مجید

اور سنت رسول قانونی شادی .... خدا اس مرد کو خوش رکھے اور اسے بخشش عطا کرے .... مذکورہ بالا شوہر کی قانونی اجازت سے ....

میں نے وہ دستاویز دونوں ہاتھوں میں پکڑی اور اسے پھاڑ کر پرزہ پرزہ کرنے والی تھی کہ میرے ہونے والے شوہر نے اسے میرے ہاتھ سے لے لیا اس کی آنکھوں میں پھیلی ہوئے ضرورت اور کمزوری کے احساس نے مجھے اپنی ذلیل اور باغیانہ حرکت پر شرمندہ کر دیا۔ اس نے بڑی آہستگی سے کہا کہ یہ تو صرف ایک رسمی کاروائی ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں' اور میں نے دستخط کر دیئے۔

☆☆☆☆

ایسے جیسے میں نے موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہوں۔ میرے نام کا وہ پہلا لفظ جو میں نے اپنے لئے سنا تھا اور جو میرے شعور اور لاشعور میری ذات اور میرے وجود کے احساس کے ساتھ وابستہ ہو چکا تھا' اب بیکار ہو چکا تھا۔ اس نے میرے نام کے ساتھ اپنا نام لگا لیا تھا۔ لوگ مجھے میرے نئے نام سے پکارا کرتے اور میں اس کے برابر بیٹھ کر سنا کرتی۔

میں حیرت کے عالم میں ان کی طرف اور اپنی طرف دیکھتی کہ کیا واقعی یہ لوگ مجھ سے مخاطب ہیں یہ ایسے ہی تھا جیسے میں مر چکی ہوں اور میری روح کسی دوسری عورت کے جسم میں آ گئی ہو جو دیکھنے میں تو مجھ جیسی تھی لیکن اس کا ایک مختلف نیا نام تھا۔

میری ذاتی دنیا' میرا بیڈ روم اب صرف میرا نہیں تھا میرا بستر جس میں اس سے پہلے کبھی کوئی میرے ساتھ نہیں سویا تھا اب اس کا بھی تھا۔ ہر بار جب میں کروٹ لیتی یا حرکت کرتی میرا ہاتھ پسینے میں ڈوبی ہوئی اس کی کھردری ٹانگ' بازو یا پھر بکھرے بالوں سے ٹکرا جاتا اس کے سانس لینے کی آواز سے ہمارے اردگرد کی فضا ماتمی گیت سے بھر جاتی جب اس شخص کی آنکھیں بند ہوتیں تو مجھے اس کے ساتھ کسی بندھن کا احساس نہ ہوتا۔

MashalBooks.com

وہ مجھے چیڑ پھاڑ کے کمرے میں پڑے ہوئے بے جان جسموں جیسا ایک جسم دکھائی دیتا' لیکن جب وہ اپنی آنکھیں کھولتا اور مجھے اپنی کمزور ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھتا جو میرے اندر مادرانہ احساس تو پیدا کرتی تھیں لیکن کوئی جنسی ردعمل پیدا کرنے میں ناکام رہتی تھیں وہ مجھے اپنے بچے کی طرح نظر آیا جس نے میرے وجود سے جنم لیا تھا۔ کب اور کس جگہ یہ مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔

☆☆☆☆

''میں مرد ہوں''

''تو کیا ہوا''؟

''میں نگران ہوں''

''کس چیز کے نگران ہو''

''اس گھر کا اور تمہارے سمیت جو کچھ اس گھر میں ہے اس سب کا نگران!''

اس کے اندر پیدا ہونے والی بغاوت اپنا رنگ دکھانا شروع ہوگئی تھی۔ میرے سامنے اس کی کمزوری کے احساس نے اس کے اندر مجھے کنٹرول کرنے کی خواہش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ''میں نہیں چاہتا کہ تم ہر روز گھر سے باہر جاؤ''۔ میں کوئی تفریحاً باہر نہیں جاتی' کام کرتی ہوں''۔

''میں نہیں چاہتا کہ تم مردوں کو ننگا کر کے ان کے جسموں کا معائنہ کرو''۔

وہ کمزور نقطہ جس پر مرد ایک عورت پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش میں زور دیتا ہے۔ عورت کو دوسرے مردوں سے محفوظ رکھنے کی ضرورت' مرد کی اپنی عورت کے لئے رقابت مرد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ عورت کے لئے خوفزدہ ہے حالانکہ درحقیقت وہ خود اپنے لئے خوفزدہ ہوتا ہے' اور عورت کو اپنی ملکیت میں لے کر اور اس کے اردگرد چار دیواری کھڑی کر کے اس کی حفاظت کا دعویٰ کرتا ہے۔

''تمہاری پریکٹس سے ہونے والی آمدنی ہمیں نہیں چاہئے''' اس نے اصرار

کیا۔

''میں پیسے کے لئے کام نہیں کرتی، مجھے اپنے کام سے محبت ہے''۔

''تم اپنے گھر اور اپنے شوہر سے آزاد ہونا چاہتی ہو''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''پریکٹس بند کردو''

وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ یہ قوت مجھے میرے کام نے دی ہے جو اسے مجھ پر کنٹرول حاصل کرنے کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ اس کا خیال تھا کہ جو رقم میں ہر ماہ کماتی تھی، خواہ وہ جتنی بھی ہو، زیادہ یا کم، وہی میری سربلندی کا باعث تھی۔ اسے اس چیز کا احساس نہیں تھا کہ میری ملازمت میری قوت نہیں تھی اور نہ ہی میری آمدنی میرا فخر تھا بلکہ میرا فخر اور توانائی دونوں کی وجہ سے تھی کہ وہ میری نفسیاتی ضرورت نہیں تھا لیکن میں اس کی نفسیاتی ضرورت تھی، مجھے ضرورت کا یہ احساس نہ تو اپنی ماں کے لئے ہوا اور نہ ہی اپنے باپ اور نہ ہی کسی اور کی طرف سے کیونکہ میں خودمختار تھی جب کہ وہ پہلے تو اپنی ماں پر انحصار کرتا تھا اور پھر اس نے ماں کی جگہ مجھ پر انحصار کرنا شروع کر دیا۔

پھر بھی وہ اپنے آپ کو ''مرد'' سمجھتا تھا کیونکہ اس کے خدوخال ایک مرد کے تھے، ایک بھاری آواز اور گھنی مونچھیں۔

☆☆☆☆

''پریکٹس بند کردو'' اس نے اصرار کیا۔

''مریضوں کے بارے میں کیا خیال ہے، اور ان لوگوں کے بارے میں جن کا میں مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دوں گی''۔

''تمہارے علاوہ بھی اور بہت سے ڈاکٹر ہیں''

''اور میرا مستقبل، میری تعلیم، جسے حاصل کرنے میں میں نے آدھی زندگی صرف کر دی۔''

''میں تمہاری زندگی ہوں''

''اور وہ سب باتیں جو تم مجھ سے شادی سے پہلے کہا کرتے تھے؟''

''میں نہیں جانتا تھا کہ حالات یہ شکل اختیار کریں گے۔''

میں نے پوری آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا' اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ان میں کوئی گہرائی نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میرے بیان سے زیادہ سخت اور کھردرے تھے اس کی انگلیاں بیوقوفانہ طرز کی چھوٹی تھیں' یہ میرے ساتھ کون اجنبی بیٹھا تھا؟''

''گوشت کا یہ تودا جسے میں شوہر کہتی تھی کون تھا؟''

وہ میرے قریب آ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنا چہرہ میرے چہرے کے ساتھ لگا لیا اور میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا میں نے چاہا کہ اس کے چہرے کے خود پسندانہ تاثر' اس کی بدعہدی کو بھلا دوں' اپنے کانوں اور آنکھوں سے ملنے والے ثبوت جھٹلا دوں لیکن یہ ناممکن تھا۔ میری یادداشت میں اس کا کہا ہوا ہر لفظ صاف اور واضح صورت میں محفوظ تھا۔ میرا ذہن بہت چوکنا تھا اور مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں اس شخص کی ذات کے اس مایوس کن پہلو کا سامنا کروں۔ اس کے خرگوش جیسے بڑے بڑے سیدھے کان اور دانت مجھے اپنے بہت قریب نظر آ رہے تھے۔

میں اس سے دور ہٹ گئی لیکن اس نے اپنا پسینے میں شرابور بازو میری کمر کے گرد لپیٹ دیا اور اپنی اداس بھاری آواز میں میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ میں نے زچ ہو کر اسے اپنے آپ سے پرے دھکیل دیا اور غصے سے کہا' ''تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟''؟''

''میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا''۔

''یہ تو بڑی مضحکہ خیز بات ہے میں کوئی زمین کا ٹکڑا تو نہیں!''

''میں حکم دینے کی پوزیشن میں ہوں! میں تمہارا خاوند ہوں''

اس کی نگاہوں سے کمزوری اور ضرورت کے تاثرات کہیں غائب ہو گئے تھے اور مجھے اس کے ساتھ باندھنے والا دھاگہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی کھوکھلی ویران

آنکھوں میں درشتی اور حکمرانی کا تاثر ابھر آیا تھا۔ یہ ایک طاقتور مرد کی آنکھ کا تاثر نہیں تھا بلکہ یہ اس مرد کی آنکھ کا تاثر تھا جو گھر سے باہر کی دنیا میں تو اپنے آپ کو بہت طاقتور شخص کی حیثیت سے دیکھنے کا عادی ہو لیکن جب اپنے گھر کے اندر اسے اپنی کمزور کا احساس ہو تو اس کی شخصیت میں جو احساس کمتری پیدا ہوتا ہے وہ اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگے۔

میں اپنا سر ہاتھوں میں تھامے ہوئے سرجری میں بیٹھی تھی اور میں نے اپنے آپ سے اقرار کیا کہ مجھ سے ایک غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ میں نے اندھیرے میں ایک مرد کے لفظوں کا اعتبار کر لیا۔ میں اس کی کمزوری اور اس کی اپنے لئے خواہش دیکھ کر گمراہ ہو گئی تھی۔ مجھے اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ ایک شخص کمزور شخص اپنی ذات کی کمیوں اور برائیوں کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے جب کہ ایک مضبوط انسان ان سے نفرت کرتا ہے اور ان پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے میں نے اپنے دل اور دماغ کا کہا نہیں مانا بلکہ وہ کیا جو یہ شخص چاہتا تھا' ایک شادی کا معاہدہ کر لیا جو کوئی دوکان یا فلیٹ کرائے پر لینے کے معاہدے کے مترادف نظر آتا تھا کیا ایسا کر کے میں نے اس کو اپنے اوپر اختیار نہیں دے دیا تھا؟ کیا اس معاہدہ نے اس کو میرا خاوند نہیں بنا دیا تھا؟

میرا خاوند! یہ لفظ جو میں نے پہلے کبھی نہیں بولے تھے ان کا میرے نزدیک کیا مفہوم تھا؟ ایک بھاری بھرکم وجود جو آدھے بستر پر قابض ہو جائے۔ ایسا منہ جو کبھی کھاتے ہوئے نہ تھکے وہ بدصورت پاؤں جو چادروں اور جرابوں کو گندہ کرتے تھے' ایک موٹی ناک جس سے نکلنے والی آوازیں اور خراٹے ساری رات سونے نہیں دیتے۔

مجھے اب کیا کرنا چاہیئے؟ کیا میں اس غلطی کی ذمہ داری قبول کر لوں اور اس کے ساتھ رہنا ہمیشہ کے لئے جاری رکھوں؟ لیکن میں اب اس کے ساتھ کیسے رہ سکتی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اس کے ساتھ رہتی' اس کے ساتھ گفتگو کرتی اس کی آنکھوں میں دیکھتی' اپنا جسم اس کے حوالے کر کے اپنی روح اور جسم کی تذلیل کرتی؟ نہیں' نہیں .... میں نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا اتنی بڑی بھی نہیں۔

ہر کوئی زندگی میں غلطیاں کرتا ہے زندگی غلط اور صحیح کے امتزاج سے

بنی ہے ہمیں غلطی کرنے کے بعد ہی پتہ چلتا ہے کہ کیا ٹھیک ہے۔ غلط کام کرنا کمزوری یا بیوقوفی نہیں بلکہ کسی غلط کام کو جاری رکھنا کمزوری اور بیوقوفی ہے۔

☆☆☆☆

لوگوں نے مارے حیرت اور احتجاج کے شور مچا دیا۔ وہ اپنے خاوند کو کیسے چھوڑ سکتی ہے؟ اور کیوں؟

ان لوگوں کو ایسی باتیں کرنے کی جرات کیسے ہوتی ہے یہ لوگ جو اپنا آپ علاج کے لئے میرے سپرد کر دیا کرتے تھے اور میں نے انہیں تباہ کن بیماریوں اور موت سے بچایا تھا۔ ان کو میری ذات زندگی پر اعتراض کرنے کا یا اس کے متعلق رائے دینے کا کیا حق پہنچتا تھا؟ میں وہ تھی جو انہیں بتایا کرتی تھی کہ کیا کھاؤ اور کیا پیؤ انہیں سانس لینے سونے اور زندہ رہنے کا طریقہ بتاتی تھی ..... کیا وہ بھول گئے تھے یا ان کا خیال تھا کہ جب میں اپنا سٹھیتو سکوپ اور سفید کوٹ اتار دیتی ہو تو میرا ذہن میری ذہانت اور شخصیت بھی مجھ سے چھن جاتے ہیں؟ یہ لوگ مجھے کتنا کم جانتے تھے!

میری ماں نے میرا بچپن برباد کیا۔ پڑھنے لکھنے میں میرا لڑکپن اور اوائل جوانی خرچ ہو گئے اور اب میرے پاس جوانی کے چند ایک سال بچے تھے جو میرے ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے میں اب سالوں کو ضائع نہیں کروں گی کوئی مجھے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

میں اپنے بچپن کی کرسیوں اور گڑیوں سے بجی جو چھوٹی سی تصوراتی دنیا بسایا کرتی تھی وہ اب حقیقت کا روپ دھار چکی تھی۔ جادو کی چابی میری جیب میں تھی۔ میں جب اور جہاں جانا چاہتی کسی کی اجازت کے بغیر جا سکتی تھی میں اپنے بستر میں خاوند کے بغیر اکیلی ہوتی تھی اور دائیں سے بائیں' بائیں سے دائیں جس طرح چاہتی کروٹیں بدلتی تھی اور جب چاہتی لکھنے پڑھنے کے لئے' سوچ بچار کے لئے یا پھر بیکار وقت ضائع کرنے کے لئے ڈیسک پر بیٹھ جاتی اور جب تک چاہتی بیٹھی رہتی۔

میں اس چھوٹی سی دنیا میں آزاد اور خود مختار تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور لوگوں کے ساتھ گزارنے والی مصنوعی زندگی کا غلاف اتار پھینکا اور اپنی خواہش کے مطابق گھر کے اردگرد بیکار پھرنے لگی۔ میں یہاں بالکل اکیلی تھی یہاں مجھے نہ تو لوگوں کی آوازیں سننی پڑتی تھیں اور نہ لوگوں کی سانسوں کو محسوس کرنا اور ان کے جسموں کو دیکھنا پڑتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار میرے دل سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا تھا' دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ایک گھر میں رہنے کا بوجھ۔

☆☆☆☆

آدھی رات کے وقت اپنے دل کے بے ربط اور بلند دھڑکن کو سن کر میری آنکھ کھل گئی میرا دل شکست خوردہ فوجیوں کے قدموں کی دھمک کی طرح زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میری سانس لینے کی آواز پسلیوں کے نیچے ناگوار سا شور پیدا کر رہی تھی جیسے کسی خراب کنوئیں سے چوں چوں کی آواز آتی ہے' میری آنکھیں کھلی تھیں لیکن سامنے صرف

اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور میرے کان خوفناک خاموشی سے بج رہے تھے مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی' سانس رک جائے گی' اندھیرا میری آنکھوں کی روشنی چھین لے گا اور یہ شور میری سماعت ختم کر دے گا۔ میں نے اپنی بصارت کو آزمانے کے لئے اندھیرے میں گھورنا شروع کر دیا اور سماعت کی آزمائش کے لئے کانوں پر زور دینے لگی۔ میرے سامنے اندھیرے کی ایک بڑی سی چادر تھی جو پھر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے لگی ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے سر بھی تھی' دمیں بھی' سینگ بھی۔ اس جان لیوا خاموشی میں اچانک سرگوشیوں' سرسراہٹوں اور چیخوں کی بھیانک آوازیں گونجنے لگیں۔ میں نے اپنا سر چادر میں چھپا لیا یہ سائے اور آوازیں غائب ہو گئیں دل کی دھڑکن میں توازن آنے لگا اور چوں چوں کی آوازیں بھی ختم ہو گئیں۔ بستر میں گرمی میرے جوڑوں اور بازوؤں کی ٹکور کرنے لگی۔ میں نے سکون سے جمائی لی اور بازو پھیلا کر آرام سے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن نیند کا تو کہیں دور دور پتہ نہ تھا' میرے بازوؤں کی گرفت میں کوئی اور چیز تھی' یا کوئی اور شخص .... کوئی ایسا شخص جس کی آنکھیں میرے باپ جیسی تھیں لیکن وہ میرا باپ نہیں تھا' اس کے ہونٹ میرے کزن کی طرح تھے لیکن وہ میرا کزن نہیں تھا۔ وہ کون تھا؟ وہ خیالی پیکر جو میری اوائل جوانی کے خوابوں میں بسا ہوا تھا اب دوبارہ میری راتوں کو برباد کر رہا تھا۔ راتیں لمبی ہونے لگیں اور میرا بستر فراغ' تنہائی اب پہلے کی طرح پرکشش نہیں رہی تھی۔

☆☆☆☆

وہ مجھے کہاں ملے گا؟ میں اس گنجان دنیا میں اس غیر حقیقی وجود سے ملنے کی امید کیسے کر سکتی تھی' یہ غیر حقیقی وجود میرے اندر کے انسان کو خوب اچھی طرح شناسا تھا' اس مرد کا تصور بہت بری طرح سے میری تخیلاتی دنیا میں بسا ہوا تھا۔ میں اس کی آنکھوں کے تاثر' اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ اس کی انگلیوں' اس کی سانسوں کی حدت اور اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے خوب اچھی طرح واقف تھی۔ میں یہ سب جانتی تھی' میں جانتی تھی۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں یہ سب کیسے جانتی تھی لیکن ہاں میں یہ سب کچھ جانتی

MashalBooks.com

تھی۔

کیا اس حقیقی دنیا میں اس کا کوئی وجود تھا یا وہ محض میرے تصورات کے تخلیق تھا؟ کیا وہ مجھے ایک دن ملے گا یا میں تمام عمر یونہی اس کا انتظار کرتی رہوں گی؟ اور میرے اندر کا انسان جو چاہنے اور چاہے جانے کی شدید تمنا میں محوخواب تھا' اس کا کیا ہوگا؟ کیا مجھے اسے اپنی زندگی سے خارج کر دینا چاہئے یا اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرنی چاہئے؟ لیکن میں اسے مطمئن کیسے کرسکتی تھی جب کہ یہ جھوٹی یا نامکمل طمانیت کی نسبت مکمل محرومی کو ترجیح دیتا تھا۔ مجھے ایک مکمل اور بھرپور محبت کی خواہش تھی' لیکن ایسے مرد کی محبت' جیسا مرد میرے تصورات کی دنیا میں بستا تھا۔ اور میں ان دونوں میں سے کسی ایک خواہش سے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی خواہ اس کے لئے مجھے کتنی ہی تنہائی کاٹنی پڑے۔ ''سب یا پھر کچھ نہیں'' میرا اصول حیات تھا اور میں نے کبھی کوئی ادھورا کام یا ادھوری شے قبول نہیں کی تھی۔

میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اسے ہر جگہ تلاش کروں گی' میدانوں میں' غاروں میں نائٹ کلبوں میں' خانقاہوں میں' فن کے مندروں میں اور سائنس کی فیکٹریوں میں' اندھیروں میں اور اجالے میں' بلند چوٹیوں میں اور گہری خلیجوں میں' پر ہجوم شہروں میں اور سنسان جنگلوں میں۔ میں اس کی کھوج میں ہر جگہ جاؤں گی۔

لوگ مجھے حیرت سے کیوں غور رہے تھے؟ کیا میں نے اپنی زندگی کا اچھا خاصا طویل عرصہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے میں ضائع نہیں کر دیا؟ کیا وہ چاہتے تھے کہ میں اپنی ٹھوڑی ہاتھوں میں لئے گھر پر بیٹھ کر کسی ایسے شخص کا انتظار کروں جو آئے اور مجھے گائے بھینس کی طرح خرید کر لے جائے؟ کیا اپنے لئے مرد کا انتخاب کرنا میرا فطری حق نہیں تھا؟ اور میں یہ کس طرح کرسکتی تھی صرف عورتوں سے ملنے' کتابوں میں مردوں کی تصویریں دیکھنے یا جو شخص مجھے منتخب کر لے اس کو قبول کر لینے سے' کیا ایسا ممکن تھا؟ نہیں' مجھے اس مرد کی تلاش میں بہت سے مردوں سے ملنا ہوگا۔ مجھے مختلف جگہوں پر ان کے چہروں اور آنکھوں میں جھانکنا ہوگا' ان کی سانسوں کے زیر و بم اور ان کی آوازوں کو سننا ہوگا' ان کی انگلیوں' مونچھوں کو چھو کر ان کے دل و دماغ کا جائزہ لینا ہوگا۔ میں اسے

MashalBooks.com

اندھیرے میں ایک کلومیٹر کی دوری یا پھر تاریک کھڑکی کے پیچھے سے کیسے پہچان سکتی تھی؟ کیا میرے لئے یہ ضروری نہیں کہ میں اسے اجالے میں دیکھوں' اسے آزماؤں اور اسے جاننے کی کوشش کروں؟ کیا تجربہ علم سے بہتر نہیں تھا' یا یہ لوگ پچھلی مرتبہ کی طرح اس بار بھی مجھ سے غلطی کروانا چاہتے تھے؟ اب میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا کہ میں بغیر کسی تذبذب کے اس آزمائش میں کود پڑوں جو ایک عورت کی زندگی کا سب سے پرخطر تجربہ ہے' ایک مرد کا انتخاب اور محبت کی تلاش!

☆☆☆☆

مجھے صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں اس کا باقی چہرہ ہمیشہ سفید ماسک کے پیچھے ہوتا تھا اور اس کی انگلیاں دستانوں میں بند۔ اس کا جسم لمبے چوڑے' سرجیکل گاؤن میں اور پاؤں سرجری کے بوٹوں میں چھپے رہتے تھے۔ اس کی سانسیں اینتھیزیا کے آلات سے اٹھنے والی ایتھر کی بو میں گم تھیں۔

میں نے اسے چوری چھپے کن اکھیوں سے اپنی طرف دیکھتے پایا' ہم دونوں اس کمرے میں اکیلے تھے سوائے ایک بے ہوش شخص کے جو اپریشن کی میز پر لیٹا تھا جس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے کٹے ہوئے معدے سے آنتیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا اسے چھپانے کی کوشش کیوں کر رہا تھا' کیا وہ اس بے ہوش شخص سے خوفزدہ تھا' مجھ سے خوفزدہ تھا یا پھر اپنے آپ سے یا پھر اس کا طریقہ واردات ہی یہ تھا؟

وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا' ''تم پوری طرح متوجہ کیوں نہیں؟ تم کس کے متعلق سوچ رہی ہو؟''

''مرد کے متعلق''

''کون سا مرد؟''

''وہ مرد جس کا معدہ ہم نے ابھی ابھی کھولا ہے''۔

وہ ہنس پڑا' مختصر اور تمسخر آمیز ہنسی' اگرچہ میں اس کے ہونٹ اور

MashalBooks.com

دانت نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن اس کی ہنسی کی آواز بہت واضح طور پر سن سکتی تھی۔ میں خاموش تھی، وہ مریض کے معدے میں بڑی آنت ڈھونڈنے لگا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد اس نے جراحی چمٹی کے ذریعے بڑی آنت اوپر اٹھائی اور کہنے لگا'' اس کو نکالنے کا فائدہ نہیں۔ کینسر نے اسے کھالیا ہے''۔

میں نے اس سوئے ہوئے مرد کے چہرے پر نگاہ دوڑائی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سینے میں چاقو گھونپ دیا ہو۔ میں نے اپنے آنسوؤں کو خاموشی سے پینے کی کوشش میں نیچے فرش کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

وہ پھر سے ہنسنے لگا اور بولا۔'' کیا تم ابھی تک ان باتوں کی عادی نہیں ہوئیں؟''

'' میں کبھی ایسی باتوں کی عادی نہیں ہوسکوں گی''۔

معدہ سینا شروع کر دیا پھر اچانک اس نے کہا'' کیا تمہیں پتہ ہے میں کس کے بارے میں سوچ رہا ہوں؟''

''نہیں''

'' میں تمہارے متعلق سوچ رہا ہوں''۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا اور میں جواباً فرش کو گھورنے کی بجائے جان بوجھ کر واپس اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

وہ مجھے یوں گھور رہا تھا جیسے وہ اپنی نگاہوں کے ذریعے ایک مرد کی تمام ممکنہ خواہشات مجھ تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہو۔'' عورت شادی کے بعد ایک نوجوان دوشیزہ کی نسبت بہت زیادہ آزاد اور خودمختار ہو جاتی ہے۔

میں نے برہمی سے اس کی طرف دیکھا اور کہا'' میری آزادی کا آغاز کسی جسمانی تبدیلی کے واقع ہونے سے نہیں ہوتا اور نہ ہی میں نے اپنے جسم پر پابندیاں اس غیر اہم پردہ بکارت کے خوف سے لگائی ہیں جو ایک سوچی سمجھی ضرب سے پھٹ سکتا ہے اور سرجن کی سوئی سے دوبارہ سل بھی سکتا ہے۔ میں نے تو اپنی ذات پر خود

رضا کارانہ طور پر پابندیاں لگائی ہیں اور میرے نزدیک اس لفظ کا جو مفہوم ہے اس کے مطابق میں آزاد زندگی بسر کر رہی ہوں‘‘۔

اس نے کینہ بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا ’’تو پھر تم خوفزادہ کیوں ہو؟‘‘

’’کس سے خوفزدہ؟‘‘

’’مجھ سے‘‘

’’تم سے!‘‘

وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا یا میں اس سے کیا چاہتی تھی میں یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن میں مردوں کے متعلق یا خود اپنی ذات کے بارے میں کچھ ایسی باتیں ضرور جاننا چاہتی تھی جو ابھی تک مجھ پر واضح نہیں ہو سکتی تھیں۔

☆☆☆☆

میں پختہ ارادہ کے ساتھ قدم بڑھاتی اس کے دروازے پر پہنچی اور اعتماد کے احساس کے ساتھ گھنٹی بجائی۔ اس نے اپنی فتح سے ملنے والی طمانیت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ تو بڑی فراخ دلی سے مسکرا رہا تھا کہنے لگا ’’میرا خیال نہیں تھا کہ تم آؤ گی!‘‘

’’کیوں نہیں؟‘‘

’’میرا خیال تھا کہ تم ابھی تک مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں!‘‘

’’ہاں مجھے تم پر اعتماد تو نہیں ہے‘‘

میں بیٹھ گئی‘ وہ بھی آ کر میرے برابر بیٹھ گیا۔ اس کی ٹانگ میری ٹانگ کو تقریباً چھو رہی تھی۔ میں اٹھی اور اس کے مقابل بیٹھنے لگی اس نے بڑی مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا’’تم میرے برابر کیوں نہیں بیٹھ رہیں؟‘‘

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا‘ ’’میں تمہارے

سامنے بیٹھنا چاہوں گی تاکہ میں تمہاری آنکھوں میں دیکھ سکوں!''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کوشش کی کہ اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر سکوں لیکن اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکتی رہیں۔ ایک لمحے کے لئے وہ کچھ سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لمبی بوتل تھی اس نے ایک گلاس بھرا۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہارا ذہن تلوار کی طرح تیز ہے''۔ وہ حریص نگاہوں سے میری ٹانگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ''میں اس سے بچنا چاہتا ہوں!''

میرا ذہن ایک تلوار کی طرح تھا! وہ میرے ذہن سے بچنا چاہتا تھا! کیا یہ جنگ ہو رہی تھی؟ یہ شخص کیا چاہتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ عجیب تھی؟ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے وہ اپنے آپ کو کوئی لڑائی لڑنے کے لئے تیار کر رہا ہو' ایسی لڑائی جسے جیتنے کا وہ پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ ایک مرد اور عورت کے درمیان جنگ! اس عجیب اور مصنوعی مقابلے میں عورت مرد کے مقابل تنہا کھڑی تھی مردوں' عورتوں اور بچوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جن کی تلواروں جیسی تیز زبانوں کا رخ میری طرف تھا' بندوق کے چھروں جیسی آنکھوں کا نشانہ میری ذات تھی اور ان کے منہ مشین گنوں کی طرح شعلے برسا رہے تھے۔

پوری کائنات مرد کی حامی ہے اور زندگی کا عصائے شاہی اس کے ہاتھ میں ہے۔ ماضی بھی اس کا ہے۔ حال اس کا اور مستقبل بھی اس کا۔ غیرت' احترام اور وقار سب اس کے ہیں۔ عورت کے خلاف لڑی گئی جنگ میں ملنے والے اعزازات روحانی اور مادی دونوں دنیائیں اس کی ملکیت ہیں حتیٰ کہ اس جنگ کے اختتام پر تخلیق ہونے والے جرثومے بھی اس کی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ یہ فیصلہ بھی اس کا ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنا تسلیم کرے' اسے اپنا نام دے' معاشرے میں اسے قابل عزت مقام دے' اسے زندہ رہنے دے یا پھر اسے ختم کر دے۔

MashalBooks.com

عورت مرد کے سامنے اپنی آزادی' اپنی عزت' اپنے نام' اپنی عزت نفس' اپنی فطرت اور اپنی خواہشات سے محروم تہی دست کھڑی ہے۔ اس کی روحانی اور مادی زندگی کا اختیار اس سے چھین لیا گیا ہے' حتیٰ کہ اس کے جسم میں کھلنے والا ننھا شگوفہ جس کی تخلیق اس کے دل ودماغ' اس کے خون' اس کے جسم کے خلیوں سے ہوتی ہے' اسے اس پر بھی کوئی اختیار نہیں۔

میں نے دیکھا' وہ پھر مسکرا رہا تھا۔ تم اس انداز سے کیوں مسکرا رہے ہو' اے شخص؟ کیا تم اس جنگ کو کوئی نام دے سکتے ہو؟

وہ میرے اور قریب آ گیا۔ اس کی گرم سانسیں میرے چہرے کو چھو رہی تھیں میں پیچھے ہٹ گئی۔ وہ گھٹنوں کی بل میرے پیچھے آیا' میں اٹھی اور وہاں سے دور ہٹ کر بیٹھ گئی۔

یہ کیا ہو رہا تھا؟ یہ مرد اپنی خواہش کے سامنے بے بس کیوں ہو گیا تھا؟ جونہی وہ ایک عورت کے ساتھ چار دیواری میں بند ہوا اس کی قوت ارادی کہیں چلی گئی اور وہ وحشی جانور بن گیا۔ اس کی قوت کہاں گئی؟ اس کی طاقت کہاں تھی؟ اس کی قائدانہ صلاحیتیں اور اس کا اختیار کہاں گیا؟ مرد کتنے کمزور ہیں! میری ماں نے مردوں کو دیوتا کیوں بنا رکھا تھا؟

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں' اس کی انگلیوں اور اس کے پاؤں کی طرف دیکھا۔ تجزیاتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ اس کے دل ودماغ کی گہرائیوں میں جھانکا تو وہاں کھوکھلے ذہن' چھوٹے دل اور ویرانی کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے ذہن سے کیوں نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک ایسے چور کی طرح تھا جو اس وقت چوری کرنا چاہتا ہو جس وقت میں متوجہ نہ ہوں۔ میں نے رحم اور نفرت کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا مجھے ایک ایسے شخص کے ساتھ مقابلہ بڑی بزدلی نظر آیا جو اس حد تک کمزور اور بے بس تھا اور میں اس مقابلے سے دستبردار ہو گئی۔ مجھے اپنا آپ اس سے کہیں زیادہ طاقتور لگ رہا تھا

MashalBooks.com

اگرچہ اس کے ساتھ پورا معاشرہ تھا' رسم و رواج کی حمایت اسے حاصل تھی مجھے ان میں سے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ میری قوت میری اپنی ذات کے اندر موجود تھی خواہ میں ایک مرد کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہوں' اور اگر میں خود نہ چاہوں تو اسے اپنا ہاتھ بھی نہ چھونے دوں لیکن اگر میں خود چاہوں تو پوری کائنات کے سامنے علی الاعلان اپنا وجود اس کے سپرد کر دوں گی۔ کیونکہ میرے رویوں کا تعین میری قوت ارادی کرتی تھی وقت' جگہ' ماحول یا دوسرے لوگ نہیں۔

میں نے دیکھا وہ دوبارہ میری طرف آ رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور مجھے اپنے روح پر ایک برفانی سل کا بوجھ محسوس ہوا۔ اے مرد! کسی بات سے کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے اٹھا لو۔ اس کی یہ حرکت مجھے بڑی بے محل لگی۔ میری بھی سوچ کا تعین میرا دل کرتا ہے اور سوچ میرے جسم پر حاوی ہے لہٰذا ان میں سے کسی ایک کو بھی علیحدہ متاثر کر لینا ممکن نہیں تھا۔

میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا تم جا رہی ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں''

''کیوں''؟ اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔

میں اسے کیا کہہ سکتی تھی؟ اس کی سمجھ میں خود کیوں نہیں آ رہا تھا؟ کیا وہ میری اس بات پر یقین کر سکتا تھا؟ کیا یہ ایک مرد کے لئے ممکن تھا کہ وہ اس بات پر یقین کر لے کہ کوئی ایسی عورت بھی ہو سکتی ہے جو اس قابل ہو کہ وہ ان سب باتوں کو بھی جان لے جو ایک مرد اس سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یا یہ کہ کوئی ایسی عورت جس کا جسم اس کے اپنے دل و دماغ کے تابع ہو۔ کوئی ایسی عورت واپس اس کی آنکھوں میں جھانک سکتی ہو اور مرد کے چھونے کا اس پر کوئی اثر ہی نہ ہو۔ ایک کمرے میں اس کے ساتھ بند رہے اور اسے کچھ بھی نہ دے اور پھر اسے چھوڑ کر یہ کہتی ہوئی چلی جائے ''نہیں تم وہ مرد نہیں جس کی مجھے تلاش ہے''۔

کیا کسی مرد کو اس بات کی سمجھ آ سکتی ہے کہ ایک عورت کا جائزہ لے' اس کو

MashalBooks.com

پرکھے اور پھر اسے مسترد کردے؟ وہ یہ بات سمجھ نہیں سکتا کیونکہ یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ پرکھنے اور پھر انتخاب کرنے کا حق صرف مرد کو ملا ہے جب کہ عورت کو صرف اس مرد کو قبول کرنا ہوتا ہے جو اسے منتخب کر لے ایک خاص مرد جو اپنی ساری زندگی اپنے آپ کو یہ سمجھانے میں گزارتا ہے کہ وہ ہی ایک خاص مرد ہے ڈاکٹر! کیا عورت بھی مرد کی طرح نہیں ہوتی ؟ کیا تم نے ساری سائنس بھلا دی ہے؟ کیا تمہارا ذہن تمہارے جسم سے علیحدہ ہو گیا ہے؟ تکبر اور خود پسندی ایک مرد کو کتنی کمزور ناتواں اور بے وقوف بنا دیتی ہے۔

☆☆☆☆

لوگوں کا شعلہ اگلتی نگاہوں اور زبانوں نے میرا جینا حرام کر دیا تھا۔

ایک عورت مرد کے بغیر اکیلی کیسے رہ سکتی ہے؟ وہ باہر کیوں نکلتی ہے؟

وہ باہر سے ہو کر کیوں آ رہی تھی؟ وہ مسکرا کیوں رہی ہے؟ وہ سانس کیوں لیتی ہے؟ وہ تازہ ہوا میں کیوں زندہ ہے؟ وہ چاند کی طرف کیوں دیکھتی ہے؟ وہ سر اونچا کر کے کیوں چلتی ہے۔ اور کھلی نگاہوں سے دنیا کو کیوں دیکھتی ہے؟ وہ گھبرائی ہوئی اور پریشان کیوں نہیں رہتی؟ کیا وہ نہیں چاہتی کہ کوئی مرد اس کا محافظ ہو؟

میرا خاندان اور رشتہ دار مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ حتیٰ کہ میری قریب ترین دوست بھی مجھے برا بھلا کہنے اور مسترد کرنے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ میں اس طوفان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی سوچتی تھی کہ میں اپنے بچپن سے ہی یکے بعد دیگرے جنگیں لڑتی آ رہی ہوں اور اب میں ایک نئی جنگ میں مصروف تھی۔ پورے معاشرے کے خلاف جنگ! جس میں کروڑوں لوگ میرے سامنے تھے اور کروڑوں لوگ ان کے آگے اور پیچھے۔ چیزوں کو جیسا ہونا چاہئے وہ زندگی میں ویسے کیوں نہیں ہوتیں؟ سچائی اور انصاف کی وسیع تفہیم نہیں پائی جاتی؟ مائیں کیوں نہیں تسلیم کرتیں کہ لڑکیاں بھی لڑکوں کی مانند ہوتی ہیں یا مرد یہ کیوں نہیں مانتے کہ عورتیں بھی ان کے برابر اور ان کی ساتھی ہیں؟

MashalBooks.com

معاشرہ عورت کے اس حق کو کیوں تسلیم نہیں کر لیتا کہ عورت اپنے جسم کے ساتھ ساتھ ذہن کو استعمال کرتے ہوئے معمول کی زندگی گزارے؟

وہ مجھے اس بات پر کیوں مجبور کر رہے ہیں کہ میں اپنی زندگی ایسے مقابلوں میں ضائع کر دوں؟

میں اپنی ٹھوڑی ہاتھوں میں لیے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ آیا مجھے

معاشرے کے ساتھ یہ جنگ لڑنی چاہیئے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دوں اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق زندگی گزاروں۔اس معاشرہ کے سامنے سر جھکا دوں۔اپنے آپ کو گھر میں بند کر لوں۔اور دوسری عورتوں کی طرح اپنے آپ کو ایک مرد کی حفاظت میں دے دوں؟

نہیں!

یہ سب لغو سوچیں تھیں۔ میں جنگ کروں گی اور اپنا تحفظ خود کروں گی۔اپنی قوت اپنے علم اور کام میں اپنی کامیابی کے ساتھ۔

☆☆☆☆

میں نے ہر چیز سے ناطہ توڑ لیا۔اپنا خاندان، دوست، عورتیں، مرد، کھانا، پینا، سونا، خواب دیکھنا، چاند تارے، پانی اور ہوا سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

اپنا سفید کوٹ پہنا سٹیتھوسکوپ گردن کے گرد لٹکایا اور میں سرجری وارڈ میں کھڑی تھی کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں یہ جنگ لڑوں گی۔آپ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنے پسینے میں نہا کر معاشرے کا مقابلہ کروں گی۔

☆☆☆☆

وہ سرجری میں مجھے ملنے کے لئے آئی۔اس کا نحیف جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور وہ بار بار مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔خوف و ہراس سے اس کے معصوم چہرے کے خدوخال بگڑے ہوئے تھے۔

MashalBooks.com

بچے تمہیں کیا مسئلہ ہے؟ میں نے اس سے پوچھا۔

وہ اس طرح کانپی جیسے اسے بخار ہو اور رونے لگی۔ میں بڑی کوشش کے بعد اس کے بعد ہونٹوں سے کچھ ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلوانے میں کامیاب ہوئی۔ وہ جو کہتا تھا اس نے ویسا ہی کیا۔ ظالم بدمعاش ۔۔۔۔۔ بالائی مصر۔۔۔۔۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔۔۔۔۔ میرا کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ڈاکٹر مجھے بچالو۔

اس کے پاس رومال نہیں تھا میں نے اسے اپنا رومال دیا اور انتظار کرنے لگی کہ کب وہ رونا بند کرتی ہے اس نے اپنی آنکھیں پونچھیں اور بڑی بے چینی سے اس کی خوف زدہ آنکھیں میرے منہ سے نکلنے والے لفظوں کا انتظار کرنے لگیں۔ وہ اس ایک لفظ کا انتظار کر رہی تھی جو اسے زندگی بھی دے سکتا تھا اور اس کے لئے موت کا پروانہ بھی ہو سکتا ہے۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال سے زیادہ نہیں تھی وہ ایک معصوم، کمزور بچی تھی جس کی نہ کوئی آمدنی تھی اور نہ ہی کوئی اس کی مدد کرنے والا تھا۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کا تمام تر انحصار میری ذات پر تھا تو میں اسے کیسے مایوس کر سکتی تھی۔ میں اسے موت کا پروانہ کیسے دے سکتی تھی جب کہ مجھے اس کی معصومیت پر یقین تھا اور میں اس کے جینے کے حق کو تسلیم کرتی تھی میں اس کو اس کے باپ کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ سکتی تھی جب کہ مجھے یقین تھا کہ یہ غلطی اس کے ماں باپ بھائیوں اور رشتہ داروں کی ہے۔ میں اس اکیلی کو کیسے سزا دے سکتی تھی جب کہ میں جانتی تھی کہ اس گناہ میں پورے کا پورا معاشرہ شریک ہے یا اس کے کام پر کیسے حیران ہو سکتی تھی جب کہ مجھے علم تھا کہ ہر کوئی اس قسم کی حرکتیں کر چکا ہے۔ میں اس کو کیسے نہ بچاتی جب کہ وہ تو ہوس کا نشانہ بنائی گئی تھی معاشرے نے اصلی مجرم کو بچا لیا تھا۔ میں کیسے اس کی غلطی کو مسترد کر سکتی تھی جب کہ میں خود اس کا شکار ہو چکی تھی۔ میں اس سے دوگنی عمر کی تھی اور اس سے کہیں زیادہ زندگی کا تجربہ رکھتی تھی۔ میں اسے کیسے بری الذمہ قرار نہ دیتی جب کہ میں خود اپنی ذات کی بخشش کا اعلان کر چکی تھی میں نے اس غریب بچی کو قانون اور روایت کے چنگل

سے اور جنگلی درندوں کے پنجے سے چھڑانے کی پوری کوشش کی اور میں نے اسے بچالیا۔
میں جانتی تھی کہ اگر معاشرہ کو اس بات کا علم ہو جائے تو مجھے شدید آزمائش میں ڈال سکتے ہیں اور سنگ زن کر سکتے ہیں' مجھے پھانسی کے تختہ تک بھی لے جا سکتے تھے۔

میں نے اپنی نوشتہ تقدیر کو قبول کر لیا تھا۔ اور سوچ لیا تھا کہ میں اس طرح ایک پر سکون ضمیر اور مطمئن روح کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہوں گی۔

☆☆☆☆

معاشرے کے سارے دکھ اور غم میری سرجری میں آیا کرتے تھے۔
دھوکے' مکر اور فریب کی داستانوں کے نتائج تجزیہ کے لئے میرے سامنے ہوتے تھے۔ وہ سارے کڑوے جھوٹ جن سے لوگ مسلسل انکار کرتے رہتے ہیں اپریشن کی میز پر میرے سامنے میرے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔

مجھے لوگوں پر بہت ترس آتا تھا۔ جو مرد اپنی بہن کی غلط کاری پر اسے ذبح کر دیتا ہے کیا اس نے دوسرے مردوں کی بہنوں کے ساتھ ایسا نہیں کیا؟ اور جس بھیڑیے نے اس معصوم لڑکی کو دھوکہ دیا کیا خود ایک بچی کا باپ نہیں جسے اس نے گھر میں قید کر رکھا تھا۔۔۔۔؟

مرد خود اپنی بیوی سے بے وفائی کرتا ہے اپنی بیوی کو اپنی عزت کے لئے قتل کر دیتا ہے۔؟ بے وفا بیوی دوسرے عورتوں کے متعلق افواہیں پھیلاتی ہے۔۔۔۔۔؟ ہمارا معاشرہ جو ایک طرف تو محبت اور آشتی کے گیت گاتا ہے وہی معاشرہ محبت کرنے والوں اور جذبات کی رو میں بہہ جانے والوں کو دار و رسن کا تحفہ دیتا ہے۔

مجھے لوگوں پر ترس آتا تھا' سب لوگوں پر ان پر بھی جو غلط کار تھے اور ان پر بھی جو ان غلطیوں کا شکار ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

میرا سرجری وارڈ ہر وقت مریضوں سے بھرا رہتا تھا اور میری جیبیں زر و جواہر سے۔ میرا نام کسی فلمی ستارے کے نام کی طرح مشہور ہو گیا تھا اور میری رائے

MashalBooks.com

اتنی مستند تھی کہ قانون کا درجہ اختیار کر گئی تھی اجنبی فوراً مجھ سے رشتہ داری کا دعویٰ کر دیتے تھے دشمن، دوست اور راز دار بنتے تھے۔ مردکھیوں کی طرح میرے ارد گرد جمع رہتے اب ان کی تنقید کا رخ بدل گیا تھا اب وہ میری پوزیشن کا دفاع اور میری تائید کیا کرتے۔ میری ڈیسک کے دراز تصدیق کروانے والی سندوں، درخواستوں اور مدد کی اپیلوں سے بھری رہتی تھی۔

میں ترقی کی اوج پر کھڑی تھی اور معاشرہ مجھے اپنی ٹھوکر پر دکھائی دے رہا تھا۔ معاشرہ۔

ہاں وہ دیوھیکل جن جس نے عورتوں کو گردن سے پکڑ کر باورچی خانوں، ذبح خانوں، قبروں یا گندی دلدل میں پھینک دیا تھا ۔۔۔۔۔ میرے ڈیسک میں پڑا تھا کمزور اور مغلوب ۔۔۔۔ مجھ سے منافقانہ انداز میں رحم کی اپیلیں کر رہا تھا اب یہ عظیم معاشرہ کتنا چھوٹا اور حقیر نظر آ رہا تھا!

آخری مریض کے جانے کے بعد میں اپنے کمرے میں اکیلی تھی، ڈیوٹی نرس بھی اپنے گھر جا چکی تھی۔ ابھی صرف شام کے نو بجے تھے، رات کا پہلا پہر! گلیوں میں چہل پہل اس وقت اپنے عروج پر تھی۔ میں نے بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں کھڑکی کے پاس گئی تو رات کی گرم بے کیف ہوا میرے چہرے کو چھونے لگی۔ باہر گلی میں لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو مجھے ایسا لگا جیسے میں خود کو بلندی پر کھڑا محسوس کر رہی تھی اور ان سب کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

مجھے شدید سردی محسوس ہوئی جیسے میں کسی برف پوش پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھی تھی۔ میں نے اپنے سر سے اوپر نگاہ دوڑائی تو وہاں برف اور بادل تھے۔ میں نے سر جھکا کر اپنے قدموں کی طرف دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے اور انسانیت کی مہک میں بے نشیب میدانوں اور نرم و ملائم وادیوں کے درمیان ایک وسیع فاصلہ ہے جس نے مجھے اور ان سے دور کر رکھا ہے لوگ دور فاصلے سے مجھے ہاتھ ہلاتے نظر آ رہے تھے لیکن ان

میں کوئی بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ میرے لئے دھنیں بجاتے تھے لیکن ان کی آوازیں میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں۔ وہ مجھ پر پھول نچھاور کرتے تھے لیکن ان کی مہک مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی فضا میں بکھر جاتی تھی۔

میں نے اپنا ماتھا کھڑکی پر ٹکا دیا۔ تنہائی کتنی سرد تھی اور خاموشی کتنی کٹھن! مجھے کیا کرنا چاہئے؟ چوٹی سے نیچے چھلانگ لگا دوں؟ لیکن اس سے تو میری گردن ٹوٹ جائے گی۔ دوبارہ اپنے راستے کی تلاش کروں؟ لیکن اس میں تو میری ساری زندگی گزر جائے گی لیکن پھر بھی وہ نہیں پاسکوں گی جو میں چاہتی تھی۔ میری جدوجہد کا دور مکمل ہو چکا تھا اور فارغ بیٹھنے کا زمانہ آ گیا تھا۔

یہ کتنی افسوس ناک بات تھی کہ میرے پاس وقت تو تھا لیکن کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا! میں نے صہبائے زندگی قطرہ قطرہ پینے اور وقت سے لطف اندوز ہونے کی بجائے اپنے پیشے کو ہی کیوں مقصود حیات بنا لیا تھا' کیوں اس میں کھو کر رہ گئی تھی اور اس میں اپنے اصل مقام سے ہٹ کر قطار میں اپنے سے اگلے لوگوں کو روندتی ہوئی کیوں آگے بڑھ گئی تھی؟ گلی میں لوگ اپنی اپنی قطاروں میں چل رہے تھے گو وہ کچھوے کی رفتار سے چل رہے تھے لیکن وہ ایک دن اپنی منزل پر ضرور پہنچیں گے۔ زندگی بہت سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی لیکن جس مقام کی طرف وہ گامزن تھی وہ اسے ضرور پالے گی۔ ایٹم کے ہوا' ہوا کے پانی اور پانی کے ٹھوس مادے کی شکل اختیار کرنے سے پہلے کروڑ ہا سال گذر چکے تھے اور اس ٹھوس مادے کی متحرک امیبا بننے اور اس کے پر پنکھ' بازو اور دم نکلنے' باوؤں پر انگلیاں بننے' دم کے ناپید ہونے اور بوزنے کے عالم وجود میں آنے سے پہلے بھی کروڑوں سال گزر چکے تھے۔۔۔۔

جب میں بچی تھی تو کبوتر کی طرح فضا میں نہ اڑ سکنے پر اداس کیوں ہوتی تھی؟ ہر تیس دن کے بعد عورت کو داغدار کرنے والے خون پر ناراض کیوں ہوا کرتی تھی؟ میں نے تاریخ' قانون اور روایت کے خلاف بغاوت کیوں کی؟ اور سائنس کے مادہ حیات کا راز دریافت نہ کر سکنے پر غصے میں کیوں آئی تھی؟

سالوں کے گزرنے کے ساتھ وقت تاریخ' قانون اور روایت کو

بالکل نئی شکل دے دے گا چھوٹی لڑکیوں کے بلوغت تک پہنچنے کا کوئی صاف ستھرا' خوبصورت طریقہ دریافت ہو جائے گا انسانی جسم بتدریج ہلکا ہو جائے گا اور فضاء میں اُڑ سکے گا۔ سائنس مادہ حیات کا راز پالے گی۔ کاروان زندگی چلتا رہے گا اور ہر نئے دن زندگی کوئی نئی دریافت کرے گی۔لیکن وقت میرے لئے اتنا سست کیوں ہو گیا تھا۔ وقت کا پہیہ میری زندگی کو روندتا چلا جا رہا تھا؟ زندگی نے اندھا دھند بھگایا اور تنہائی کی برف میں لپٹی بلند چوٹی پر لا پٹخا لیکن کیوں؟

سکوت کتنا جان لیوا تھا اور انسانی آوازیں کتنی جان فزا تھیں خواہ وہ شور ہی پیدا کر رہی ہوں۔تنہائی کتنی سود تھی اور انسانی سانس میں کتنی گرمی تھی خواہ وہ بیماری کی سانس کیوں نہ ہو۔ جمود کتنا نفرت انگیز تھا اور حرکت میں کتنا حسن تھا خوہ وہ جدوجہد اور کشمکش ہی کیوں نہ ہو۔ فارغ وقت کتنا ہولناک تھا اور مصروفیت میں کتنی چاشنی تھی خواہ اس کا انجام ناکامی ہی کیوں نہ ہو۔

☆☆☆☆

تنہائی اور ویرانی نے میرے وجود میں بسیرا کر لیا تھا اور میرے اندر کا عفریت پھر سے بیدار ہو گیا تھا۔ میرے تصورات اور خیالات کا انبوہ منتشر ہو گیا تھا اور ان کی جگہ اس عفریت نے اپنے پاؤں پسار لئے تھے۔

تم کیا چاہتی ہو؟ تم نے ہر روایت سے بغاوت کی' ایک عورت کی زندگی گذارنے سے انکار کر دیا۔تم نے سچائی کا تعاقب اور سچائی نے تمہیں اپنی ذات سے بھی دور کر دیا۔ اور مرد؟ تم نے انہیں دیکھا' پرکھا' انہیں مسترد کیا اور تحقیر سے اپنے ہونٹ سکیڑ لئے۔

تم کیا چاہتی ہو؟ ایک ایسا مرد جو صرف تمہاری تصوراتی دنیا کا باسی ہے اور جس کا زمین پر کوئی وجود نہیں؟ ایک ایسا مرد جو سانس لیتا ہو سوچتا ہو بولتا ہو لیکن اس کا جسم دوسرے مردوں جیسا نہ ہو؟ کیا تم آپریشن کی میز پر پڑے جسموں کو بھلا سکتی ہو؟ یا اپنے تکیے کے قریب خوفناک خراٹوں کی آواز کو بھول سکتی ہو؟ مایوس' بے بس ننگا ہوں یا

موت کو فراموش کر سکتی ہو جو معصوم بچوں کو بھی ہڑپ کر جاتی ہے؟ تم اپنی بات کو پھر سے اپنے تخلیق کردہ زنداں کی کوٹھڑی میں کیوں بند نہیں کر دیتیں تا کہ تمہارے اندر کا انسان پھر سے سو جائے؟

لیکن اب راتیں لمبی ہو گئیں تھیں اور رات کے عفریت نے پھر سے میرے بستر کا گھیراؤ کر لیا تھا اور میرا بستر بھی پہلے سے زیادہ ٹھنڈا، وسیع اور خوفناک ہو گیا تھا۔ میرے اندر کا عفریت کسی صورت دوبارہ خواب غفلت میں جانے کو تیار نہیں تھا۔ کامیابی اسے تسکین نہ دے سکی تھی شہرت اس کے لئے بے معنی تھی اور دولت ۔۔۔۔۔۔ پت جھڑ کے موسم کے زرد پتے۔

MashalBooks.com

میز پر بکھرے خطوں اور کاغذوں کے درمیان مجھے ایک چھوٹا سا کارڈ نظر آیا۔ میں نے اسے کھولا۔ یہ کسی پیشہ ور تنظیم کی طرف سے بھیجا ہوا کسی تقریب کا دعوت نامہ تھا۔ میں جلدی سے اٹھی اور اپنی کار میں بیٹھ کر اس جگہ کی طرف روانہ ہوگئی جہاں یہ تقریب ہو رہی تھی۔

میں بڑے ہال کمرے میں داخل ہوئی' ہال جگمگاتی روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کلف لگے استری شدہ کپڑوں میں ملبوس مہمان چہروں پر رسمی' بناوٹی تاثرات سجائے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میری نگاہوں نے اس جگہ کا اور اس جگہ پر موجود لوگوں کا یوں جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے مجھے کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔ مرد کن اکھیوں سے عورتوں کو دیکھ رہے تھے اور عورتیں چور نگاہوں سے مردوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں نے مہمانوں کے درمیان ٹہلنا شروع کر دیا' اس گڑیا کی طرح جس کا سر ایک سپرنگ پر رکھا ہوا ہو اور مہمانوں کی علیک سلیک کا جواب دیتی رہی۔ مہمانوں میں ایک دم افراتفری پھیل گئی اور وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے تاکہ ایک چھوٹے سے لحیم شحیم مرد کے قریب پہنچ جائیں۔ وہ سارے اس سے آگے چلنے کی کوشش میں تھے تاکہ ان کی اس شخص کے ساتھ تصویر بن جائے اور ٹیلی ویژن پر اس کے قریب کھڑے نظر آسکیں اور وہ شخص ان کے چہروں' ان کی آوازوں اور ان کے وجود کو یاد رکھ سکے۔

میں اس ہجوم سے علیحدہ ہو کر ایک خاموش کونے میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے تھوڑا سا مڑ کر دیکھا وہاں ایک مرد کھڑا تھا۔ ایک عام سا مرد جس نے معمولی

سے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بڑے عام سے انداز میں کھڑا تھا۔ وہ نہ تو لمبا تھا اور نہ دبلا نہ موٹا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس شخص کی عمومیت میں بھی کوئی خاص بات ہے۔شاید یہ کہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کے کھینچے ہوئے خدوخال کے برعکس اس کے چہرے کے تاثرات بڑے فطری اور طمانیت سے بھرپور تھے یا یہ کہ سادگی کے باوجود وہ بڑی شاندار شخصیت کا مالک تھا یا شاید کہ اس نے اس کیم شحیم مرد کے گرد اکٹھے ہونے والے ہجوم میں جانا اپنی شان کے خلاف سمجھا تھا۔۔۔۔۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ ہماری نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ میں نے اپنے اندر ایک عجیب سی ہیجان انگیز کیفیت محسوس کی۔اس کی آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ ابھری' اس نے اپنی آنکھوں کی طرح زندگی سے بھرپور آواز میں کہا'' یہ سب اس شخص کے پیچھے بھاگ رہے ہیں''

''کیوں''؟ میں نے سادگی سے پوچھا۔

''یہ اس کارپوریشن کا ہیڈ ہے''۔

وہ اپنی آنکھوں میں وہی دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ لئے کچھ دیر کے لئے کھڑے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ کیا یہ ناپسندیدگی کی نگاہ تھی یا رحم کی' یہ انسانی کمزوریوں کے لئے احترام کی نگاہ تھی یا تمسخر کی؟ میں کوئی فیصلہ نہ کرسکی' وہ میری طرف مڑا اور اپنا تعارف کروانے سے پہلے اس نے ایک لمحہ کے لئے میرا بغور جائزہ لیا۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا اور اسے بتایا کہ میں کون ہوں اور کیا کرتی ہوں۔ دوسرے میزوں سے دور پڑی ہوئی ایک چھوٹی سی میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہنے لگا'' ''آؤ'' یہاں بیٹھتے ہیں یہ اس ہیڈ مرد سے سب سے دور پڑی ہوئی میز ہے۔

ہم دونوں ہنسے اور اس میز کی طرف چل پڑے۔ ہم ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ گئے۔اس نے کھانے کی پلیٹوں کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا'' ''تقریبات پر کیا کرنا چاہئے مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں۔لیکن پھر بھی کیا میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں؟'' اس شخص کی آنکھوں میں کیا تھا؟

''نہیں شکریہ'' میں نے کہا'' مجھے تقریبات کے آداب پسند نہیں''۔

ہم نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے پوچھا''کیا آپ کوموسیقی سننے کے لئے کچھ وقت مل جاتا ہے؟''

''نہیں اکثر اوقات نہیں'' میں نے جواب دیا۔

''میں نے آپ کو تازہ کمپوزیشن سنی تو نہیں لیکن اس کے متعلق پڑھا ضرور ہے کہ یہ کس قدر کامیاب ہوئی اور اسے لوگوں نے کتنا پسند کیا۔''

اس کی نگاہیں مجھ سے دور کہیں بھٹک رہی تھیں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور کہا''میں تو اس سے خوش نہیں تھا''۔

''لیکن لوگ تو تھے؟''

''ایک فن کار کی اس وقت تک تسلی نہیں ہوتی جب تک وہ خود اپنے کام سے مطمئن نہ ہو۔''

''اگر آپ اس سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے تو آپ نے اسے نشر کرنے کی اجازت کیوں دے دی؟''

''یہی تو زیادہ دکھ کی بات ہے کہ میں جس کام سے خوش ہوتا ہوں وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔''

''تو پھر آپ لوگوں کے ردعمل کی پرواہ کئے بغیر صرف وہی موسیقی کیوں مرتب نہیں کرتے جس سے آپ مطمئن ہوں؟''

''لیکن سنے گا کون؟''

''چند ایک لوگ' یا شاید صرف ایک ...... لیکن یہ اپنی خوشی کی قیمت پر لوگوں کو مطمئن کرنے سے بہتر ہے۔''

''بعض اوقات تو میں ایسا ہی کرتا ہوں۔''

''وہ فرش کی طرف دیکھنے لگا جیسے کچھ سوچ رہا ہو تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی بولتی آنکھوں کو اوپر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہنے لگا''موسیقی کے متعلق تو ہم نے بہت سی باتیں کر لیں لیکن آپ نے طب کے متعلق کوئی بات نہیں کی؟''

MashalBooks.com

’’طب کے متعلق گفتگو تقریبات کے لئے مناسب نہیں‘‘، میں نے کہا۔ ’’کیوں نہیں؟‘‘ اس نے حیرت سے پوچھا۔ ’’اس میں سب درد اور بیماری کی باتیں ہیں۔ زندگی کا اداس رخ!‘‘ میں نے جواب دیا۔

’’نہیں‘‘ ‘اس نے دلیل دی‘ یہ ’’درحقیقت ہے کہ اس سے متعلقہ دکھ بڑے شدید ہیں لیکن اس سے حاصل ہونے والی خوشی تو اس سے بھی زیادہ بڑی ہوتی ہو گی۔ میں اندازہ کرسکتا ہوں کہ جب تم کسی کی جان بچاتی ہو تو تم کتنی خوشی محسوس کرتی ہو گی۔ یہ یقیناً تمہارے کام کا بہترین حصہ ہوتا ہوگا‘‘۔

’’تمہارے کام کا کونسا حصہ تمہیں سب سے زیادہ خوشی دیتا ہے؟‘‘

’’جب میں ایسی کوئی دھن ترتیب دیتا ہوں جو مجھے مطمئن کرتی ہے‘‘ اس نے جواب دیا ’’یا جب میں بہت عمدہ موسیقی سنتا ہوں۔‘‘

پھر اس نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے اپنے فقرے میں اضافہ کیا ’’یا جب میں ایک نیا دوست بناتا ہوں؟‘‘

میں نے اس کی آنکھوں سے بچنا چاہا لیکن اس نے مجھے ایسا نہیں کرنے دیا اس کی نگاہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ مجھے محصور کرلیا اور میرے دل میں ایک خوفزدہ کر دینے والی لرزش پیدا ہوئی۔

☆☆☆☆

میں ساری رات کروٹیں بدلتی رہی اور سو نہ سکی‘ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں کانٹوں کے بستر پر لیٹی ہوں۔ میں اٹھی اور میں نے کمرے کے اندر چلنا شروع کر دیا۔ کمرہ مجھے جیل کی کوٹھری لگ رہا تھا اور ہوا میرا دم گھونٹ رہی تھی۔ میں کمرے سے باہر نکل آئی اور بالکونی میں جا کر کچھ دیر کھڑی رہی لیکن زیادہ دیر کھڑا ہونا بھی ناقابل برداشت لگ رہا تھا۔ میں بیٹھ گئی لیکن یہ بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا پھر میں ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ میں نے کوشش کی کہ کچھ کھالوں لیکن کھانے کا ذائقہ بھی بہت عجیب اور ناقابل برداشت سا لگا۔

MashalBooks.com

ہر چیز ہی نا قابل برداشت ہوگئی۔ بیٹھنا' کھڑا ہونا' چلنا' کھانا' پانی اور ہوا سب میرے لئے اپنا مزہ کھو چکے تھے' وہ کام جن میں میرا زیادہ تر وقت صرف ہوا کرتا تھا اب غیر اہم اور بے معنی نظر آنے لگے تھے۔ میرے اس نئے جذبے نے میری پہلے سے موجود سوچ کی جگہ لے لی تھی اور جاگتے ہوئے میرا سارا وقت اس کی شدت کا شکار ہو جاتا تھا۔ سوالوں کا ایک سلسلہ میرے ذہن اور روح میں بسا رہتا۔ کیا مجھے اس سے رابطہ کرنا چاہئے؟ اس سے بات کرنی چاہے؟ اور کیا مجھے گفتگو کا آغاز کرنا چاہئے؟

میں اس چھوٹے سے آلے کو دیکھ رہی تھی' سیاہ پلاسٹک کا چوکور سا ٹکڑا جسے میں اپنے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھائے پھرتی تھی' جب چاہتی انگلی کی ایک جنبش سے اسے خاموش کرا دیتی تھی' لیکن آج تو یہ ایک خطرناک ڈرا دینے والا جادوائی آلہ لگ رہا تھا۔ میں نے دور سے بہت محتاط انداز میں اسے دیکھا' بڑے متشوش انداز میں ان کے قریب آئی اور جب میں نے اسے چھوا تو سارے جسم میں یوں کرنٹ دوڑ گیا جیسے میں نے بجلی کی ننگی تار کو چھو لیا ہو۔ میں سوچنے لگی کہ جب ہمارا چیزوں کو دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے تو کیا وہ واقعی اس حد تک بدل جاتی ہیں۔

میں فون کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگی۔ مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس نے میرے لئے اپنا فون نمبر لکھتے ہوئے کہا تھا'' جب بھی جی چاہے مجھے فون کر لینا۔''

اس نے میری قوت فیصلہ کی تعریف کی تھی' تو پھر میں فیصلہ کیوں نہیں کر پا رہی تھی؟ حالانکہ ماضی میں مجھے کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں آیا تھا۔ کیا میں نے کسی دوسرے کی خواہش کی بجائے ہمیشہ اپنی خواہش کے مطابق زندگی بسر نہیں کی تھی؟ کیا اس شخص کی خواہش جو میری زندگی پر حاوی ہونا چاہتا تھا صرف اس لئے ناکام نہیں ہوگئی تھی کہ میں خود ایسا نہیں چاہتی تھی؟ اور وہ دسرا شخص جو اپنی زندگی کا کنٹرول مجھے دینا چاہتا تھا اپنی اس کوشش میں صرف اس لئے ناکام نہیں ہوگیا تھا کہ میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ میری قوت ارادی نے ہی ہمیشہ میرے معاملات زندگی کا تعین کیا تھا۔ میں اس وقت اسے ملنا چاہتی تھی ہاں یقیناً میں یہ چاہتی تھی۔

میں نے ٹیلی فون کی ڈائری کھولی اور چھ دفعہ اپنی انگلی گھمائی۔ ٹیلی

فون کی گھنٹی اونچی آواز میں میرے کانوں میں بجنے لگی۔ اچانک یہ تسلسل ٹوٹ گیا اور ایک لمحہ کے لئے میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ میں نے اس کی گھمبیر آواز سنی۔ ''ہیلو''

میں نے نہ تو دکھاوے کی محبت کا اظہار کیا نہ ہی عورتوں کے ناز و ادا سے توجہ وصول کرنے میں مختلف طریقوں کے متعلق سوچا اور نہ میں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ میں نے تو صرف کوئی بات پوچھنے کے لئے فون کیا تھا۔ میں نے بیوقوفانہ طریقہ سے چہرہ نقاب میں چھپا کر دروازے کے پیچھے سے بات کرنے کی کوشش بھی نہیں کی بلکہ میں نے بڑی سچائی کے ساتھ کہا'' میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کب؟''

''ابھی''

''کہیں بھی' جگہ کی کوئی اہمیت نہیں''

''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''گھر پر''

''جتنی جلد ممکن ہوا میں پہنچتا ہوں''

میں واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے اندر سے کسی نے جان نکال لی ہو اور دیواروں کو یوں دیکھنے لگی جیسے میں انہیں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

اچانک میرے اندر جوش و ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس تصویر کو تو یہاں ہونا چاہئے۔ اس کرسی کو وہاں ہونا چاہئے۔ گلدان پھولوں سے بھرا ہونا چاہئے' میں نے نوکر کو پھولوں کا گلدستہ لینے بھیجا اور خود ایپرن باندھ کر تازہ دودھ اور انڈوں کا کیک بنانے باورچی خانے میں چلی گئی۔ کیک ابھی اوون میں تھا کہ میں نے جیلی بنا کر فرج میں رکھ دی۔ میں کسی بچے کی طرف ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ اوون سے فرج' فرج سے گلدان سے دیوار پر لگی ہوئی تصویر کی طرف اور پھر وہاں سے واپس اوون کی طرف۔

پسینہ میرے چہرے سے بہتا ہوا میرے منہ کے اندر چلا گیا لیکن آج تو اس کا ذائقہ بھی نیا اور مزے دار سا لگا۔ میرا دل غیر مسلسل طریقے سے دھڑک رہا تھا اور

سانس گھوڑے کی طرح پھولی ہوئی تھی لیکن میں اپنے پھیپھڑوں کو بھول چکی تھی میں نے اپنا ہاتھ اوون میں ڈالا لیکن مجھے کوئی حرارت محسوس نہ ہوئی۔ جیسے میرے دماغ کے خلیے جلن کی تڑپ سے ناآشنا ہوں۔ میزوں کے نیچے گھسنے اور دوسرے کام کرنے کے لئے میری کمریوں دوھری ہو رہی تھی کہ جیسے اس میں ریڑھ کی ہڈی ہے ہی نہیں۔ دروازے پر ایک لمبی گھنٹی ہو

ئی جس کی آواز میرے لئے اتنی عجیب اور چونکا دینے والی تھی جیسے میں نے زندگی میں پہلی بار اس گھنٹی کی آواز سنی ہو۔

☆☆☆☆

.....

. وہ بیٹھک میں بیٹھ گیا اس کی گہری مسکراتی آنکھیں دیوار پر لگی ہوئی تصویروں کا جائزہ لے رہی تھیں اور اس کے پروقار سنجیدہ خدوخال اردگرد کے ماحول سے اس کی دلچسپی اور تجسس کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں اس سے ہٹ کر تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھ گئی تاکہ اپنے اندر پیدا ہونے والے اس عجیب سے جذبے اور دل سے اٹھنے والی انوکھی مسرت کو چھپا سکوں اور اپنی روح میں ہونے والی کپکپاہٹ کو نظر انداز کر سکوں' میں ایسا کیسے کر سکتی تھی جب کہ میری آنکھیں' میرے ہونٹ' میری آواز بھی میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

وہ بڑی ملائمت سے مسکرایا اور کہنے لگا ''تمہارا گھر بہت خوبصورت ہے..... ایک فن کار کا گھر''۔

''مجھے فن سے بہت محبت ہے۔'' میں نے کہا'' لیکن میرا سار وقت طب کی مصروفیت میں گزر جاتا ہے''۔

''طب بذات خود ایک فن ہے'''اس نے کہا اور میری طرف دیکھا۔

اس شخص کی آنکھوں میں کیا تھا؟ ایک گہرا بے کنار سمندر؟

''آپ چائے پئیں گے''؟ میں نے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات سے ہلا دیا۔ میں چائے بنانے کے لئے باورچی خانے میں چلی گئی۔ ملازم نے شک بھری حیرت سے میری طرف دیکھا۔ میں جب سے یہاں رہنے کے

لئے آئی تھی پہلی دفعہ باورچی خانے میں آ کر کوئی کام کر رہی تھی۔ میں نے اوون سے کیک نکالا اور چائے کے ساتھ ٹرے میں رکھ دیا اور واپس کمرے میں آ گئی۔ اس نے تازہ بنے ہوئے کیک کو دیکھا.... جو ابھی پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا...... اور مسکرانے لگا۔ میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ اس نے بھی میرے ساتھ ہنسنا شروع کر دیا اور ہم یوں ہنسنے لگے جیسے کبھی نہ رکیں گے۔ ہمارے اس بے جھجک اور دل کھول کر ہنسنے نے ہمارے درمیان

موجود حجاب کے اس پردے کو اٹھا دیا جو ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ کئے ہوئے تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور کہنے لگا' تم سے پہلے مجھے کبھی تم جیسی عورت سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''عورتیں اپنے جذبات کو چھپاتی ہیں اور اپنے چہروں پر ماسک پہنے رکھتی ہیں تا کہ کوئی ان کے اصل چہرے کو نہ دیکھ سکے لیکن تم تو کچھ بھی نہیں چھپاتیں تم تو میک اپ بھی نہیں کرتیں۔''

''مجھے اپنا آپ ویسے ہی پسند ہے جیسی میں ہوں' اور مجھے اپنی ذات پر اسی حالت میں اعتماد ہے لہٰذا میں اپنے آپ کو مختلف ظاہر نہیں کرتی؟''

''مجھے صاف گو اور سچی عورتیں پسند ہیں''۔

''بہت سے مردوں کے خیال میں عورت کی صاف گوئی اور سچائی اس کی نسوانیت کے لئے نقصان دہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت بہروپ کے بھرے' عشوے غمزے دکھائے اور مردوں کے ساتھ ظاہری محبت کے کھیل میں برابر کی حصہ دار بن جائے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ عورتوں کو صرف جنسی تعیش کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں؟

''ایسے مردوں کی تعداد تو بہت کم ہے جو ایک مضبوط شخصیت کی مالک ذہین عورت کی نسوانت کو سمجھ سکتے ہیں''۔

وہ کہنے لگا' ''خواہ ایک عورت جسمانی طور پر کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اگر وہ بیوقوف' کمزور' بناوٹی اور اخلاص سے عاری ہو تو وہ صحیح معنوں میں نسوانیت سے عاری ہے۔''

MashalBooks.com

''اور مردانگی کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''زیادہ تر عورتوں کے خیال میں مرد کا جنسی طور پر مضبوط ہونا ہی مردانگی ہے''۔

''میرے خیال میں مرد جنسی طور پر خواہ جتنا بھی مضبوط ہو لیکن اگر وہ بیوقوف، کمزور، بناوٹی اور اخلاص سے عاری ہے تو مردانگی سے بھی عاری ہے،'' میں نے کہا۔

''اتنے سال تم کہاں تھیں؟'' اس نے پوچھا۔

''تلاش میں مصروف تھی''

''کس کی تلاش؟''

''بہت سی چیزوں کی''

''کیا تمہیں وہ نہیں ملا جس کی تمہیں تلاش تھی''

''کبھی نہیں''

''زندگی میں ہر چیز نہیں ملا کرتی''

''میں نے تو محرومی کی زندگی گزاری ہے''۔

''محرومی اعصاب میں کھنچاؤ پیدا کر دیتی ہے تا کہ تم ان کھنچے ہوئے تاروں سے موسیقی تخلیق کر سکو، اگر تم مطمئن ہو تو یہ تار ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور ان میں کوئی دھن نہیں ابھر سکتی''۔

وہ میرے ساتھ باتیں کر رہا تھا اور مسلسل میری آنکھوں میں جھانک رہا تھا لیکن میں نے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں دیکھا کہ وہ میرے کولہوں کو گھور رہا ہو یا پھر چوری چوری میری چھاتیوں کو دیکھ رہا ہو۔ ہم اس کمرے میں اکیلے تھے لیکن مجھے یہ احساس نہیں ہو کہ وہ اس تنہائی کو محسوس کر رہا ہے۔ وہ کسی اور دنیا میں تھا اور میں اپنی تمام تر جسمانی خواہشوں سمیت اس کے ساتھ بیٹھی تھی، لیکن میں نے ایک لمحے کے لئے بھی اسے اپنے جسم سے مخاطب نہیں پایا وہ میرے دل اور دماغ کے ساتھ محو گفتگو تھا۔

میں نے تحفظ اور طمانیت کے احساس کے ساتھ آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆

میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی اور اس کی لمبی اور ذہین انگلیوں کو پُر اعتماد فنکاری کے ساتھ ساز بجاتے دیکھ رہی تھی' وہ ایسے سر بجا رہا تھا جو کبھی فضا میں بلند ہوتے اور کبھی نیچے ڈوب جاتے تھے.... اداس اور خوشگوار سر.... وہ سر جن میں شور بھی تھا اور سرگوشی بھی' ہنسی بھی اور سسکیاں بھی.... اور میرا دل ان سروں کے ساتھ ساتھ دھڑک رہا تھا' بلند ہوتا تھا اور ڈوب جاتا تھا' ناچتا تھا اور روتا تھا اور ان سروں کے ساتھ ساتھ کراہتا اور ہنستا تھا۔ اس کی انگلیاں حرکت کرتے کرتے رک گئیں۔ اس نے پوچھا۔

''تم کیا سوچ رہی ہو؟''

''یہ بہت خوبصورت دھن ہے''

''میں نے ابھی ابھی ترتیب دی ہے''

''اس میں آنسو بھی ہیں اور خوشی بھی''

''یہی زندگی ہے؟''

''فن کتنی خوبصورت چیز ہے اگر میں موسیقی کی تربیت حاصل کرتی تو صرف اس لئے کہ ایسی دھنیں مرتب کر سکوں؟''

اگر میں طب پڑھتا تو صرف اس لئے کہ لوگوں کو صحت یاب کر سکوں''

''طب صرف صحت مند کرتی ہے''۔

''فن صحت یاب بھی کرتا ہے اور تخلیق بھی''

''آپ طب میں بھی نئی تخلیق کر سکتے ہیں۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جن کا علاج ابھی تک کوئی نہیں ڈھونڈ سکا۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا'' ''تم اتنے سال کہاں تھے''

''تمہاری تلاش کرتا رہا''

''کیا اس کھوج میں تم اور لوگوں سے بھی ملے''

''ہاں یہ تو قدرتی بات ہے اور تم؟''

''ہاں ظاہر ہے'
''تلاش کا یہی تو واحد طریقہ ہے''۔

اس کی گہری اور بھاری آواز مجھ سے مخاطب تھی' تمہاری ان آنکھوں میں کیا ہے؟ ہم ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے اور ہمارے درمیان نہ ہونے کے
برابر تھوڑا سا فاصلہ تھا اور وہ اپنی گرم جوش آواز میں مجھے کہہ رہا تھا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سارا وجود نیچے کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہو اور پھر اس کے بعد میں اپنی ذات کی بلندیوں پر تھی۔ وہ مسکرایا اور آگے بڑھ کر اس نے مجھے بازوؤں میں لے لیا اور میرے اور اپنے درمیان سارے فاصلے ختم کر دیئے۔ میں نے اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیا'' تم کیوں رو رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''مجھے تم سے محبت ہے''

اس نے مجھے اور قریب کر لیا اور سینے سے لگا لیا یہاں تک میرا سارا وجود اس کی ذات میں تحلیل ہو گیا اور اس کی ذات میرے اندر گم ہو گئی۔

ٹیلیفون کی گھنٹی زور سے بجی اور میں آسمان کی فرازیوں سے واپس زمین کی پستیوں پر آ گئی۔ میں نے بھاگ کر فون اٹھایا، ''ہیلو''

دوسری طرف سے ایک بے چین بے قرار آواز آئی۔ ''ڈاکٹر صاحب' وہ مر رہا ہے اسے بچا لو۔''

ریسیور ہاتھ میں پکڑے پکڑے میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ ''کوئی مریض؟''

''ہاں''

''تو کیا تم جا رہی ہو؟''

''ہاں سیدھا وہیں جا رہی ہوں''

''میں بھی تمہارے ساتھ آؤں؟''

MashalBooks.com

''ہاں اگر تم چاہو تو''

میں اس کی کار میں اس کے برابر بیٹھ گئی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے گاڑی چلانے لگا۔ ہم مریض کے گھر پہنچے جو گھر نہیں بلکہ فلیٹوں کے بلاک کے آخر میں واقع تہہ خانے میں ایک چھوٹا سا تاریک سیلن زدہ کمرہ تھا۔ ایک نوجوان فرش پر میلے کچیلے کپڑے میں لیٹا تھا۔ اس کے قریب خون کی لکیر سی بہہ رہی تھی۔ میں نے اس کے دل کی دھڑکن سنی' وہ تپ دق کے مہلک مرض کا شکار تھا اور اس وقت اس کی زندگی کا انحصار صرف اور صرف انتقال خون پر تھا' میں نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی وہ میری قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے فوراً پوچھا، ''کیا کسی چیز کی ضرورت ہے؟''

''ایمرجنسی سروس سے خون کی ایک بوتل''

وہ دوڑ کر دروازے کی طرف بڑھا اور کہنے لگا' ''میں کار لے جاتا ہوں اور خون لے آتا ہوں۔''

میں مریض کے پاس پڑے لکڑی کے کریٹ پر بیٹھ گئی' اسے عارضی سکون کا انجکشن لگایا اور انتقال خون کے آلات تیار کرنے لگی۔ وہ خون کی بوتل ہاتھوں میں پکڑے ہوئے واپس آیا۔ میں چھلانگ لگا کر اٹھی' اس نے مریض کا بازو پکڑا اور اس وقت تک میرے برابر کھڑا رہا جب تک میں نے سوئی مریض کے بازو میں اچھی طرح داخل نہیں کر دی۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ پسینہ اس کے چہرے سے بہہ رہا تھا وہ گھٹنوں کے بل اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کا سر مریض کے سر کے بالکل قریب تھا۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی' ''اس سے پرے ہٹ کر بیٹھو''

''کیوں؟''

''کہیں تمہیں اس بیماری کے جراثیم نہ لگ جائیں''

''میرا تو یہ کام ہے۔ مجھے تو حالات کی پرواہ کئے بغیر یہ سب کرنا ہے''

اس نے خاموشی سے میری طرف دیکھا لیکن وہاں سے نہیں ہلا جب تک میں نے سارا کام ختم نہیں کر لیا۔

ہم دونوں لکڑی کے کریٹ پر ایک دوسرے کے برابر بیٹھے خون کے قطروں کو بوتل سے نکل کر مریض کے باوز میں جانے کے عمل کو بڑی بے چینی اور بے قراری سے دیکھ رہے تھے جیسے خون کے یہ قطرے بھی اس شخص کی زندگی بچانے کی شدید کوشش میں ہمارے ساتھ شریک ہوں۔

میں نے اس کی طرف دیکھا وہ بغیر کچھ کہے بڑی نرمی سے مسکرایا۔

میں نے کہا''میں یہ سب کچھ اکیلے نہیں کر سکتی تھی''

''نہیں، تم کر سکتی تھی'' پھر اس نے بوتل کی طرف اشارہ کیا اور کہا''صرف تھوڑا سا خون باقی رہ گیا ہے''۔

میں نے مریض کی آنکھوں میں دیکھا وہ پہلے سے بہتر لگ رہا تھا اور اب سانس بھی آرام سے لے رہا تھا۔ میں نے سوئی باہر نکالی اس نے اپنے ہونٹ کھولے اور ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے خشک لہجے میں کہا''شکریہ'' پھر اس نے بڑی نقاہت سے اپنا ہاتھ اپنے میلے کچیلے تکیہ کے نیچے سے نکالا اور اپنا کمزور سا بازو میری طرف بڑھایا اس کی مٹھی میں ایک نوٹ تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے اس وقت کیا ہوا۔ دنیا گھومنے لگی اور مجھے لگا کہ میں ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑوں گی۔ میں اس وقت صرف ایک چیز کو محسوس کر سکتی تھی اور وہ تھا مجھے سہارا دیتا ہوا اس کا ہاتھ اور اس کی ملائمت سے بھری ہوئی آواز''کیا تم تھک گئی ہو؟''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ میں اسے کیا جواب دوں۔ میں تھکی ہوئی نہیں تھی بلکہ شدید گھبراہٹ اور شرمندگی کا شکار تھی۔ شاید اس صورت حال میں کچھ ایسی عجیب بات تھی جس نے مجھے پریشان کر دیا۔ اس لمحے میں نے سوچا ایک ڈاکٹر کا مریض سے فیس لینا نہایت بے انصافی' بے عقلی اور بے وقاری ہے۔

میں ان پچھلے سالوں میں اپنے مریضوں سے پیسے لینے کے لئے کیسے ہاتھ پھیلاتی رہی؟ میں اپنی سرجری میں لوگوں کو صحت بیچتی رہی؟ میں مریضوں کے خون پسینے سے اپنی جیبیں بھرتی رہی' لیکن کیسے؟

میں اس ہاتھ کے لمس کو محسوس کر رہی تھی جو اس عمارت سے نکلنے میں میری مدد کر رہا تھا اور مجھے کار تک پہنچا رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے گھر پہنچایا اور مجھے میرے بستر تک لے گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا ''کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں'' میرا چہرہ آنسوؤں سے بھر گیا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا ''تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا میں اندھی ہو گئی تھی مجھے صرف اور صرف اپنی ذات نظر آ رہی تھی۔ جو جنگیں لڑتی رہی تھی انہوں نے سچ کو مجھ سے چھپائے رکھا؟

''کون سی جنگیں؟

''ہر کسی کے خلاف جنگ جس کا آغاز ماں کے خلاف جنگ سے ہوا تھا!

''کیا تمہیں ان سے کچھ حاصل نہیں ہوا؟''

''نہیں.....''

نہیں مجھے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا' ڈاکٹر بننے کا مطلب بیماری کی تشخص' دوائی تجویز کرنا اور پیسے بٹورنا نہیں تھا۔ میری سرجری کا ہر وقت بھرے رہنا' امراء کا اس میں آنا اور میرے نام کا مشہور ہو جانا ہی کامیابی نہیں تھا۔ طب استعمال کی کوئی چیز تو نہیں تھی اور کامیابی زر و سیم اور شہرت کے پیمانوں میں تولی جانے والی جنس تو نہیں۔

ڈاکٹر ہونے کا مطلب تو حالات کی حدود و قیود سے بالا ہو کر مریضوں کو صحت مند کرنا ہے اور اپنے پاس جو بھی ہے دوسروں کو دینا ہی کامیابی ہے۔

میری زندگی کے تیس سال سچائی کے ادراک' اپنی ذات اور اس کے حوالے سے کائنات کے شعور کے بغیر ہی گزر گئے تھے۔

اس نے پیار بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''سونے کی کوشش کرو''

''میں نہیں سو سکتی''

''خون جب اپنا اثر دکھائے گا تو وہ جلد ہی اچھا ہو جائے گا''

''نہیں وہ کبھی ٹھیک نہیں ہو گا؟''

''تم نے اس سے پیسے نہیں لئے؟''

''مجھے یاد نہ کراؤ......''

بھلا میں اس بات کو بھول سکتی تھی! تہہ خانے کا بدبودار کمرہ' زمین پر بچھا میلا کچیلا گدا' خون کی لکیر' بیمار مفلوک الحال چہرہ' ویران آنکھیں' میری طرف پھیلا کمزور لمبا بازو اور میری طرف بڑھا ہوا چاقو جس نے میرے دل و دماغ و دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا!

میں نے اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا' اس کا قرب مجھے تحفظ کا احساس دے رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے میرا ماضی کہیں کھو گیا ہو اور میں پھر سے وہ چھوٹی سی بچی بن گئی ہوں جو چلنا سیکھ رہی ہو مجھے کسی کی مدد کی ضرورت محسوس ہونے لگی مجھے زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ مجھے کس کی ضرورت ہے' یہ بات تو میں نے کبھی اپنی ماں کے لئے بھی محسوس نہیں کی تھی۔

میں نے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا لیا' طمانیت اور تسکین کے آنسو میری آنکھوں می سے بہنے لگے۔

☆☆☆☆

☆☆☆☆